www.novelsclubb.com

محبت کا ہنر

(ڈائجسٹ ناول)

از قلم راشدہ رفعت

:novelsclubb :read with laiba 03257121842

www.novelsclubb.

محبتوں کا سفر

ذہین ہاؤس کے لاؤنج میں اس وقت سناٹے کا عالم تھا۔ بڑی اماں کے سامنے اس وقت ان کی چار عدد پوتیاں' انتہائی مسکین صورت بنائے ہاتھ باندھے اور سر جھکائے کھڑی تھیں۔ اور پچھلے دس منٹ سے بڑی اماں قہر بار نگاہوں سے ان لڑکیوں کو گھورے جا رہی تھیں۔ عرشیہ' جیا' فریال اور مناہل تھوڑی تھوڑی دیر بعد ڈرتے ڈرتے بڑی اماں کی سمت دیکھتیں اور ان کی غضبناک نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے پھر سے گردن جھکا لیتیں۔

"تم چاروں کی وجہ سے مجھے آج جس شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ کچھ اندازہ ہے تمہیں اس بات کا۔" آخر کار بڑی اماں نے گھورنے کا سلسلہ موقوف کر کے باقاعدہ ڈانٹ ڈپٹ کا آغاز کر دیا تھا۔

"جی بڑی اماں! ہمیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہے۔" عرشیہ نے مسکین سی صورت بناتے ہوئے — جواب دیا تھا مگر جیا کی کہنی نے فوراً" اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

"نہیں' نہیں بڑی اماں! ہم اس بات کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتے۔" اس نے فوراً" اپنا بیان واپس لیا اور اس بار اس کے بائیں طرف کھڑی فریال نے اپنے بھاری جوگر سے اس کا پاؤں دبایا تھا۔ عرشیہ ڈفر کی آج تک یہ بات سمجھ میں نہ آسکی تھی کہ بڑی اماں شدید غصے میں کوئی طنزیہ سا سوال پوچھیں تو اس کا سب سے بہتر جواب' چہرے پر شرمندگی طاری کر کے جھکے ہوئے سر

Downloaded From
Paksociety.com

کو مزید جھکانا ہوتا ہے اور عرشیہ کے سوا وہ تینوں اپنے سر مزید جھکا چکی تھیں۔

"ہر مہینے ہزاروں روپے تم چاروں کی فیس کی مد میں بھرے جاتے ہیں۔ اچھے سے اچھا کپڑا' بہترین جوتا' نئے سے نئے ماڈل کا موبائل' کھلا جیب خرچ بتاؤ اس گھر میں تمہاری کون سی فرمائش ہے جو پوری نہیں کی گئی؟" بڑی اماں جلالی انداز میں ان چاروں سے مخاطب تھیں۔

"میری فرینڈ پچھلے مہینے مجھے پیارا سا پپی (کتے کا بچہ) گفٹ کر رہی تھی' بس آپ نے مجھے وہ پالنے کی اجازت نہیں دی تھی حالانکہ وہ بہت نایاب نسل کا پپی تھا۔" عرشیہ کی بات ادھوری رہ گئی تھی' جیا کی کہنی نے ایک بار پھر اس کی خیریت دریافت کی تھی۔

"اس کے علاوہ تو ہماری ہر خواہش اور فرمائش پوری ہوتی ہے بڑی اماں۔" بہت بوکھلاتے ہوئے عرشیہ نے بات کا اختتام کیا۔ بڑی اماں نے ایک قہر بار نگاہ اس پر ڈالی پھر باقی تینوں پوتیوں کے جھکے سر دیکھے۔

"سمجھ میں نہیں آرہا تمہاری نالائقی پر سر پیٹ کر روؤں یا تمہاری ڈھٹائی پر آنسو بہاؤں۔ تم نے مجھے آج جس شرمندگی سے دوچار کیا ہے۔ اس کے لیے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"سوری بڑی اماں۔" جیا' فریال اور مناہل نے منمنا کر سوری کی تھی۔ عرشیہ اس بار خاموش رہی تھی' جب بڑی اماں نے کہہ ہی دیا تھا کہ وہ انہیں کبھی معاف نہیں کریں گی تو سوری کرنے کا کوئی فائدہ تھا بھلا۔

"عرشیہ کی تو میں بات ہی نہیں کرتی۔ اس میں نہ عقل ہے اور نہ سمجھ' اور میں نے اس کڑوی سچائی سے بہت پہلے ہی سمجھوتہ کرلیا تھا' لیکن تم تینوں' ہاں جیا سب سے پہلے تم بتاؤ۔ اتنے عرصے سے اپنی پڑھائی کی پروگریس مجھ سے کیوں چھپائی تم نے۔ تم تو ذہین ہاؤس کا فخر اور مان تھیں' ایک تم ہی سے تو مجھے کچھ امید تھی کہ پڑھائی کے میدان میں تم خاندان کا نام روشن کرو گی۔ اللہ نے تمہیں ذہن بھی دیا ہے' عمدہ حافظہ بھی عطا کیا ہے۔ بچپن میں ہر کلاس میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوتی تھیں تم۔ پھر کالج جاکر کیا ہوا۔ اتنی خراب کارکردگی کا تم کیا جواز پیش کروگی؟" بڑی اماں جلالی انداز میں جیا سے مخاطب تھیں۔ جیا کے پاس کوئی جواز ہوتا تو پیش کرتی نا۔ چہرے پر شرمندگی کے مزید تاثرات سجا کر گردن مزید جھکالی۔

"اور تم فریال۔" توپوں کا رخ اب فریال کی جانب تھا۔

"تمہاری تعلیمی کارکردگی تو کبھی بھی قابل رشک نہیں رہی' میں اسی لیے تمہیں اتنے مہنگے کالج میں داخلہ دلوانے کے حق میں نہیں تھی۔ لیکن تم نے مجھ سے کمٹمنٹ کی تھی کہ جان توڑ محنت کرکے اپنے آپ کو اس داخلے کا اہل بھی ثابت کروگی۔ بتاؤ کہاں گئی وہ کمٹمنٹ اور کہاں گئی وہ جان توڑ محنت اور کوشش؟"

"پرامس بڑی اماں! آئندہ آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اب میں واقعی دل لگا کر پڑھوں گی۔" فریال نے فوراً" اگلی کمٹمنٹ کرلی تھی۔ بڑی اماں نے اسے غضبناک نگاہوں سے گھورنے پر اکتفا کیا پھر توجہ مناہل کی جانب کی۔

"اور تم مناہل۔ مجھے تمہاری تعلیمی حالت جان کر قطعاً" کوئی شاک نہیں لگا تھا۔ تم دماغ کے اعتبار سے پوری کی پوری اپنے خاندان پر پڑی ہو' اسی لیے میں نے تم سے کبھی کوئی امید وابستہ ہی نہیں کی تھی' لیکن تمہاری شخصیت اور کردار کی پختگی ہمیشہ تمہیں دوسروں سے ممتاز کرتی تھی۔ تمہاری سلجھی ہوئی میچور شخصیت دیکھ کر دل ہی دل میں میں ہمیشہ تم پر فخر کرتی تھی' لیکن تم نے بہت برے طریقے سے میرا مان توڑا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ اس ناٹک میں تم بھی ان تینوں کا ساتھ دوگی۔" بڑی اماں نے اسے بہت رنجیدگی سے مخاطب کیا تھا۔ مناہل کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے' اس نے کپکپاتے لبوں سے بڑی اماں

کو سوری کہا تھا لیکن بڑی اماں کم از کم اس وقت سوری قبول کرنے کے موڈ میں نہ تھیں۔

"اور تم عرشیہ!" ان کا روئے سخن عرشیہ کی جانب تھا۔

"آپ نے تو کہا تھا عرشیہ کی میں بات ہی نہیں کرتی' اس میں نہ تو عقل ہے' نہ ہی سمجھ۔" عرشیہ نے ہکلاتے ہوئے انہیں یاد دہانی کروائی۔

"جب عقل تھی ہی نہیں تو اس ڈرامے میں مرکزی کردار ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی احمق۔" بڑی اماں دھاڑی تھیں۔ عرشیہ چپکی ہو گئی تھی۔

"دور ہو جاؤ تم چاروں میری نظروں سے۔ میں تم لوگوں سے کوئی بات ہی نہیں کرنا چاہتی۔" بڑی اماں نے آخری فرمان جاری کیا۔

"سب باتیں تو آپ نے کر لیں۔ اب کوئی بات بچی ہی نہیں بڑی اماں۔" پتا نہیں یہ بھولپن کی ابتدا تھی یا انتہا' مگر اس نازک وقت میں ایسی بات عرشیہ ہی کر سکتی تھی۔ جیا اور فریال نے بہت مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی اور اس سے پہلے وہ چاروں بڑی اماں کے فرمان پر عمل کرتیں بڑی اماں خود ہی وہاں سے رخصت ہو گئی تھیں۔ انتہائی بگڑے تیوروں اور خوف ناک تاثرات سمیت۔

"ہم نے بڑی اماں کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ وہ اتنی جلدی ہمیں معاف نہیں کریں گی۔" مناہل روتے ہوئے' کشن پر بیٹھی تھی۔

"تو کیا ہوا دیر سے معاف کر دیں گی' ویسے بھی بڑی اماں خود ہی تو کہتی ہیں جلدی کا کام شیطان کا۔" عرشیہ نے اسے تسلی دی تھی۔

"تمہاری باتیں سن کر مجھے اپنے بے چارے بھائی کا خیال آجاتا ہے عرشیہ! تم سے شادی کے بعد کیا بنے گا تابش کا۔" جیا نے اسے گھورا۔

"مجھ سے شادی کے بعد کیا بنے گا تابش؟" عرشیہ نے سوال معمولی ردوبدل کے ساتھ دہرایا۔

"پاپا ہی بنے گا ڈفر۔" شرمگیں مسکراہٹ کے ساتھ جیا کی معلومات میں اضافہ کیا گیا۔

"مجھے لگتا ہے تم اتنی بے وقوف ہو نہیں' صرف بے وقوف بننے کی ایٹنگ کرتی ہو۔" فریال کو اس پر غصہ آگیا۔ اس عرشیہ کی بچی کی وجہ سے ہی تو ان سب کو آج یہ برا وقت دیکھنا پڑا تھا' تعلیمی میدان میں پچھلے کچھ مہینوں سے یہ چاروں جس قابل رشک کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی تھیں اس کا نتیجہ یہ ہی نکلنا تھا کہ پرنسپل نے ان کے والدین کو گھر سے بلوانے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔

"ایکچوئلی میم! عرشیہ اور مناہل کے پیرنٹس ملک سے باہر ہوتے ہیں اور فریال اور میرے والدین بھی ہمارے ساتھ نہیں رہتے۔ وہ گاؤں میں ہوتے ہیں' اس لیے ان کا آنا بہت مشکل ہے۔" جیا نے نہایت ادب سے پرنسپل صاحبہ کو جواب دیا تھا۔

"آپ کے گھر میں کوئی بڑا' سرپرست' بزرگ کوئی تو ہو گا یا آپ چاروں کے سوا آپ کے گھر میں کوئی نہیں ہوتا۔"

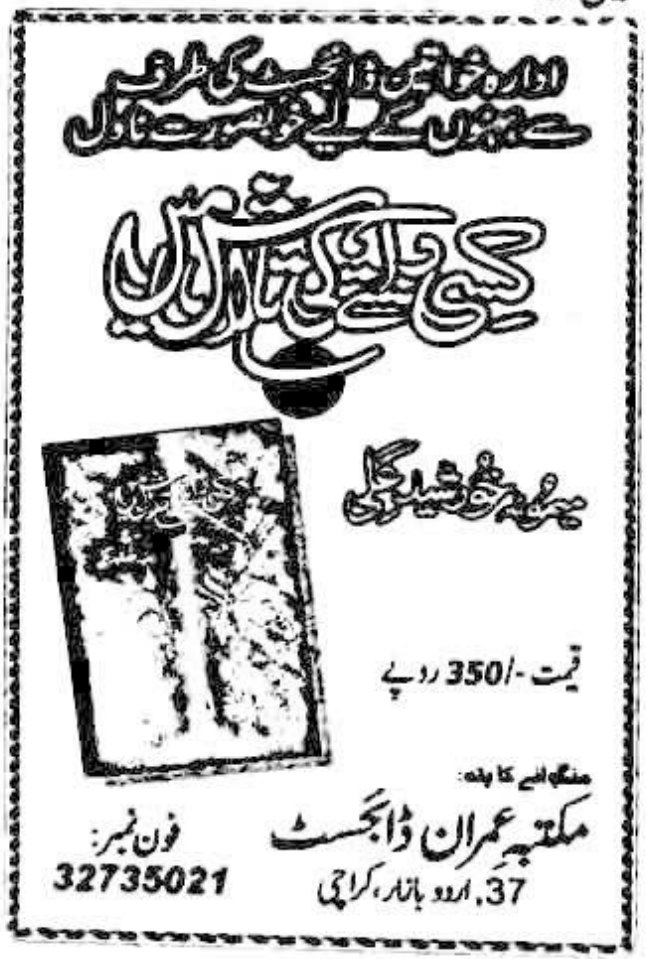

"ہمارا ایک بھائی ہے میم! لیکن وہ آج کل۔"
"ہمارا نہیں صرف تمہارا۔" عرشیہ نے بروقت جیا کی بات کاٹی تھی۔ میڈم نے اس جملہ معترضہ پر اسے بری طرح گھورا تھا۔
"اس کا بھائی میرا بچپن کا منگیتر ہے میم۔" عرشیہ نے ان کے تیوروں سے بوکھلا کر فوراً" وضاحت دی۔
"ایکچوئلی ہمارا بھائی فرسٹ کلاس کرکٹر ہے۔ آج کل وہ ایک ٹورنامنٹ کے سلسلے میں دوسرے شہر گیا ہوا ہے' جیسے ہی وہ آئے گا ہم اسے آپ کے پاس لے آئیں گے۔"
"صرف وہ ہی بھائی آپ کا سرپرست ہے؟ اس کے علاوہ گھر میں کوئی نہیں؟" پرنسپل نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔ جیا نے بڑی بے چاری سی صورت بنا کر نفی میں گردن ہلائی تھی۔
"بڑی اماں بھی تو ہیں۔ انہیں بھول گئیں۔" عرشیہ نے جیا کے کان میں گھس کر سرگوشی کی۔ یہ سرگوشی اتنی بلند ضرور تھی کہ باآسانی پرنسپل کے کانوں تک پہنچ گئی۔
"دیکھیے بیٹا! یہ ایک پرائیویٹ کالج ہے۔ یہاں طالبات سے منہ مانگی فیسیں لی جاتی ہیں تو رزلٹ کی گارنٹی بھی دی جاتی ہے' یہ کوئی سرکاری کالج نہیں ہے کہ سالانہ امتحان کے رزلٹ کارڈ سے ہی والدین کو بچے کی تعلیمی قابلیت کا اندازہ ہو۔ ہم بہت باقاعدگی سے پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کا انعقاد اسی لیے کرتے ہیں کہ اسٹوڈنٹ کی تعلیمی پروگریس سے والدین کو باخبر رکھا جائے۔ مجھے اس کالج میں پرنسپل کی سیٹ سنبھالے چھ ماہ کا عرصہ ہوگیا ہے۔ اور آپ چاروں کے علاوہ میں کالج کے ہر بچے کے والدین سے ملاقات کرچکی ہوں۔ آپ لوگوں کے گھر سے کبھی کوئی آپ کی پروگریس کے بارے میں پوچھنے نہیں آیا۔ کالج ریکارڈ میں جو آپ کے گھر کے فون نمبرز درج ہیں ان پر بھی رابطہ ممکن نہیں ہوتا' آپ کو میں آخری موقعہ دے رہی ہوں کہ اپنے گھر والوں میں سے کسی کو بلا کر لائیں۔ بڑی اماں' چھوٹی اماں وائس ایور۔ کل مجھے ان سے ہر صورت ملاقات کرنی ہے' وگرنہ نتائج کی ذمہ داری آپ چاروں کو بھگتنا پڑے گی۔" پرنسپل صاحبہ نے سرد۔ بے مہر اور دوٹوک لہجے میں باور کروایا تھا۔
اس وقت تو وہ چاروں اوکے میم کہہ کر ان کے آفس سے نکل آئیں' مگر آنے والے کل کے تصور سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے اگر بڑی اماں سے پرنسپل صاحبہ کی ملاقات کروادی جاتی تو بہت تاریخی قسم کی دو طرفہ بے عزتی متوقع تھی۔ کافی عرصے سے کسی قسم کی بے عزتی نہ ہونے کے سبب وہ چاروں خود کو خاصا باعزت تصور کرنے لگی تھیں۔ یہ بے عزتی سہنا چاروں کو ہی بڑا دشوار محسوس ہو رہا تھا۔
"کتنی خوفناک لگ رہی تھیں میم' خاص طور پر جب یہ کہہ رہی تھیں کہ نتائج کی ذمہ داری آپ چاروں کو بھگتنی پڑے گی۔" عرشیہ نے منہ بنا کر پرنسپل صاحبہ کی نقل اتاری تھی اور کیا کمال کی نقل تھی' وہی لب ولہجہ وہی انداز۔ جیا' فریال اور منال نے متاثر ہو کر اسے دیکھا۔ عرشیہ کا دماغ بھلے سے صفر تھا۔ لیکن ایک خاصیت اسے دوسروں سے ممتاز کرتی تھی وہ لوگوں کی کمال کی نقالی کرتی تھی۔
"بڑی اماں کو کالج لے جانے سے بہتر ہے گاؤں سے امی کو ہی بلوا لیتے ہیں۔ صرف پرنسپل صاحبہ کی بے عزتی ہی سہنا پڑے گی نا۔ بڑی اماں کے غیض و غضب سے تو بچ جائیں گے۔" فریال نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔
"اتنے شارٹ نوٹس پر تائی جان کیسے آسکتی ہیں اور بالفرض محال وہ آبھی گئیں تو جب ہم انہیں اپنے ساتھ کالج لے کر آئیں گے تو کیا بڑی اماں کچھ نہ پوچھیں گی۔" منال دھیرے سے بولی تھی۔ عرشیہ اور فریال نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی' جب کہ جیا کسی اور ہی سوچ میں گم تھی۔
"تم کیا سوچ رہی ہو اور تمہاری آنکھیں کیوں چمک رہی ہیں؟" فریال نے بہن کو ٹہوکا دیا۔

"بس ہو گیا ڈن' کل عرشیہ امی بن کر میم سے ملے گی۔" جیا کے شاطر دماغ نے مسئلے کا فوری حل نکالا تھا۔

"کس کی امی؟" عرشیہ نے ہونق پن سے پوچھا۔

"میری اور فریال کی امی اور مناہل اور اپنی نائی امی بن کر' عبایا کے اوپر اسکارف سے نقاب کر کے تم پرنسپل کے آفس میں ان سے ملاقات کرو گی۔ ان کی ہاں میں ہاں ملاؤ گی' ہماری نالائقیوں پر ہمیں جی بھر کر ڈانٹو گی اور پرنسپل صاحبہ سے وعدہ کرو گی کہ آئندہ آپ کو ان چاروں سے کسی قسم کی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔ اب یہ چاروں دل لگا کر پڑھیں گی۔" جیا نے تفصیلی پلان بتایا تھا۔ "اور جب میں یہ سب کرلوں گی تو تم مجھے اپنا نیا بلیک سینڈل تحفے میں دو گی" خلاف توقع عرشیہ کو ہی سب سے پہلے جیا کا پلان سمجھ میں آیا تھا' اس نے پلان کو فی الفور منظور کرتے ہوئے اپنی ڈیمانڈ سے بھی آگاہ کیا۔

"زیادہ چالاک بننے کی ضرورت نہیں عرشیہ صاحبہ۔ یہ سب جو تم کرو گی اس میں تم سمیت ہم چاروں کا مفاد پوشیدہ ہے۔" جیا نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"سب سے زیادہ تمہارا جیا! کیونکہ ہم تینوں تو تسلیم شدہ نالائق ہیں ہم جتنی مرضی کوشش کرلیں' پڑھائی میں ہمارا دماغ چلتا ہی نہیں اور بڑی اماں نے اس حقیقت سے سمجھوتہ کر رکھا ہے البتہ تمہاری ذہانت پر انہیں ہمیشہ سے مان ہے اور انہوں نے تم سے بہت سی امیدیں بھی وابستہ کر رکھی ہیں۔ جب پرنسپل صاحبہ بڑی اماں سے تمہاری شکایت لگائیں گی تو بڑی اماں کی توقعات کا مینار دھڑام سے زمین پر آگرے گا اور یقیناً" مینار کے ملبے تلے تم ہی آؤ گی تو سوچ لو بلیک سینڈل زیادہ عزیز ہے یا۔"

"اوکے اوکے زیادہ اسمارٹ بننے کی ضرورت نہیں۔ لے لینا سینڈل۔" جیا نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"یہ سب کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ اس طرح تو ہم بڑی اماں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائیں گے۔" مناہل ان کا پلان تسلیم کرنے سے ہچکچا رہی تھی۔

"تم اگر ہمارے پلان سے متفق نہیں ہو تب بھی تمہیں اسے ماننا پڑے گا۔ ہمارے تین ووٹ ہیں اور تمہارا صرف ایک۔" فریال نے اسے فوراً" جتایا تھا اور پھر اگلے دن عرشیہ 'عبایا کے اوپر اسکارف لپیٹ کر پرنسپل صاحبہ سے ملنے پہنچ گئی تھی۔ چہرہ نقاب میں تھا اور آواز بدلنے میں تو عرشیہ کو ویسے ہی عبور حاصل تھا۔

"یہ میری اور فریال کی مدر ہیں میم۔ رات ہی گاؤں سے پہنچی ہیں۔ آپ نے بلوایا تھا اس لیے آپ سے ملنے آئی ہیں۔" جیا نے ادب سے میڈم کو مخاطب کیا۔ عرشیہ نے لہجہ بدل کر پرنسپل صاحبہ کو سلام کیا تھا۔ پرنسپل نے ملائمت سے ـــــ سلام کا جواب دیا تھا۔ پھر جیا کو دیکھا تھا۔

"ٹھیک ہے جیا آپ جائیں۔" جیا کو جانے کا کہہ کر امی بنی عرشیہ کو۔

"تشریف رکھیے پلیز۔" کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ عرشیہ نے بوکھلا کر جیا کی سمت دیکھا۔ اسے "صورل سپورٹ" کے لیے جیا کا ساتھ درکار تھا۔ اگر خدانخواستہ کسی قسم کا بلنڈر ہو جاتا تو جیا اسے آسانی سے کور کر سکتی تھی۔ جیا خود بھی پرنسپل کی بات سن کر ذرا پریشان ہوئی تھی لیکن حکم ماننے بنا کر کوئی چارہ بھی نہ تھا سو امی جی کو میڈم کے رحم و کرم پر چھوڑ کر خود آفس سے باہر جانے لگی۔

"ایک گلاس پانی ملے گا میڈم۔" عرشیہ نے سوکھے حلق کو تر کرنے کی غرض سے صرف ایک گلاس پانی ہی تو مانگا تھا۔ جیا جاتے جاتے پلٹی تھی اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ میڈم کے سامنے بیٹھی امی جی کو ایک جھانپڑ رسید کردے۔ میڈم ٹیبل پر دھری منرل واٹر کی بوتل سے گلاس میں پانی انڈیلنے لگی تھیں۔ پانی پینے کے لیے عرشیہ کو لامحالہ نقاب نیچے سرکانا پڑتا۔ اس کی موٹی عقل میں یہ بات کیوں نہ سمائی تھی۔ جیا کی سمجھ

میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیسے صورتحال سے نمٹے۔

"ایکسکیوزمی میم۔ امی جی کو منرل واٹر سوٹ نہیں کرتا۔ میں انہیں سادہ پانی لاکر دیتی ہوں۔" اس نے جلدی سے پرنسپل کے سامنے سے گلاس اٹھایا تھا اور امی جی کو قہربار نگاہوں سے گھورتی ہوئی آفس سے بڑی تیزی سے باہر نکلی۔ پرنسپل اس کی بات سن کر کچھ حیران ہوئی تھیں۔ عرشیہ کو بھی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔

"جیا صحیح کہہ رہی تھی میڈم جی۔ میری ساری عمر گاؤں میں گزری ہے نا۔ خالص دودھ اور خالص پانی پینے کی عادت ہے۔ ڈبے والے دودھ سے پیٹ خراب ہو جاتا ہے اور بوتل والے پانی سے گلا خراب ہو جاتا ہے۔ میں تو جی نل کا تازہ پانی پیتی ہوں۔" عرشیہ نے میڈم کی حیرانی بھانپتے ہوئے اونگی بونگی سی وضاحت کی تھی' خیر پرنسپل کو اس وضاحت سے کیا سروکار تھا۔ انہیں تو سامنے بیٹھی خاتون کو ان کی بچیوں اور بھتیجیوں کی خراب تعلیمی کارکردگی سے آگاہ کرنا تھا سو پروفیشنل انداز میں ان سے یہ سب ڈسکس کرنے لگیں اور واضح الفاظ میں یہ باور بھی کروایا کہ اگر بچیاں کارکردگی میں بہتری نہیں لائیں تو انہیں فائنل پیپرز میں بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

"آپ فکر نہ کریں جی۔ ان کی دادی سے تینوں کے کان کھنچواؤں گی۔ فر فر سبق یاد کیا کریں گی۔" عرشیہ نے انہیں یقین دہانی کروائی۔

"تینوں کے نہیں چاروں کے۔ میں کسی کی بھی کارکردگی سے مطمئن نہیں۔" پرنسپل صاحبہ نے اسے ٹوکا تھا۔

"ہاں جی چاروں کے۔ چاروں ہی اپنی دادی سے بہت ڈرتی ہیں۔ ماں باپ کا پھر اتنا رعب نہیں ہے ان پر۔" عرشیہ بہت مہارت سے آواز اور لہجہ تبدیل کر کے میڈم سے گفتگو کر رہی تھی۔ جی ہی جی میں اپنی کارکردگی پر پھولے نہ سما رہی تھی۔ کاش جیا' فریال اور مناہل بھی یہاں موجود ہوتیں تو دیکھتیں میری پرفارمنس۔ عرشیہ نے خود کو داد دیتے ہوئے سوچا تھا۔

"ان کی دادی سے ضرور ان کی شکایات کریں لیکن بچوں کی تعلیم و تربیت کی اصل ذمہ داری ان کے ماں' باپ پر عائد ہوتی ہے۔ میرے خیال میں آج آپ کو اپنے شوہر کے ساتھ میرے پاس آنا چاہیے تھا' ویسے وہ کرتے کیا ہیں؟ میڈم نے بر سبیل تذکرہ پوچھا تھا۔ ایک لمحے کی بات تھی۔ عرشیہ بھول گئی وہ اس وقت کس بہروپ میں میڈم کے سامنے بیٹھی ہے۔ میڈم اس سے اس کے شوہر کے متعلق استفسار کر رہی تھیں۔ بیٹ ہاتھ میں گھماتے تابش کا اسٹائلش سا پوز عرشیہ کے دماغ کے پردے پر لہرایا تھا' اور تابش کو سوچتے وقت تو وہ ویسے بھی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جایا کرتی تھی۔

"میرے ہونے والے شوہر سے ابھی صرف میری منگنی ہوئی ہے میم۔ میرا مطلب ہے میرے منگیتر فرسٹ کلاس کرکٹر ہیں۔" شرمیلی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے میڈم کو آگاہ کیا اور میڈم تو جیسے کرنٹ کھا کر اچھلی تھیں۔

"نقاب نیچے کریں۔ اتاریں یہ نقاب۔" وہ غرائی تھیں۔ عرشیہ بوکھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں کہتی ہوں یہ ڈھاٹا۔ (نقاب) کھولیں۔" پرنسپل کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ عرشیہ پر خود ہی جھپٹ پڑیں۔ عرشیہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے نقاب نیچے کر لیا۔ آگے کی داستان خاص المناک تھی۔ پرنسپل نے فی الفور گھر سے کسی بڑے کو بلانے کا حکم نامہ جاری کیا تھا۔ ان کے غضب ناک تیوروں کو دیکھتے ہوئے بڑی اماں کو کالج بلوانا پڑ گیا تھا۔ کالج میں جو بے عزتی ہوئی سو ہوئی' بڑی اماں کے ہاتھوں بھی خاص درگت بنی تھی۔ بلکہ ابھی تو بے عزتی پروگرام کی صرف پہلی قسط نشر ہوئی تھی' جانے کتنے دن تک بڑی اماں کا عتاب سہنا تھا۔ چاروں منہ لٹکائے اور سر جھکائے اسی سوچ بچار میں مصروف تھیں۔ بڑی اماں کے بگڑے موڈ کو درست کرنے کی فی الحال کوئی تدبیر ذہن میں نہیں آرہی تھی۔

ایسے میں نانا ماموں کی اچانک آمد ان کے لیے غیب

سے ہونے والی مدد ثابت ہوئی۔ نانا ماموں' بڑی اماں کے لاڈلے بھائی تھے' بڑی اماں کے بچوں کے عزیز ترین ماموں اور ذہین منزل کی تیسری نسل کے ہردلعزیز نانا ماموں۔ بہت شگفتہ مزاج اور بذلہ سنج شخصیت کے مالک تھے نانا ماموں اور اس بار وہ اکیلے نہ آئے تھے' ان کے ساتھ ان کا پوتا بھی تھا۔ حسب توقع بڑی اماں' بھائی اور بھائی کے پوتے کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سمائیں۔

"کتنے برسوں بعد دیکھ رہی ہوں میں ابتہاج کو۔ یہ تو بالکل تمہاری جوانی کا عکس ہے جہانگیر۔" بڑی اماں نے ابتہاج کو پیار کرتے ہوئے بھائی کو مخاطب کیا۔

"ویسے تو میں ابھی بھی جوان ہوں بڑی آپا لیکن ہاں یہ آپ نے درست کہا' ابتہاج واقعی مجھ سے بہت ملتا ہے۔" وہ بھی پوتے کو محبت سے دیکھتے ہوئے مسکرائے۔

"اور میری نٹ کھٹ سی پوتیاں کہاں ہیں۔ بھئی بلایئے تو انہیں۔" نانا ماموں کو ان چاروں کی یاد آئی تھی۔ بڑی اماں نے چاروں کو پکارا تھا' چند لمحوں بعد وہ چاروں نانا ماموں کو سلام کرنے پہنچ گئی تھیں۔

"رشتے کے لحاظ سے تو میں ان کا دادا لگتا ہوں ابتہاج' لیکن یہ مجھے جانے کیوں نانا کہہ کر بلاتی ہیں' بہرحال یہ مجھے اتنی پیاری ہیں کہ چاہے مجھے کچھ بھی کہہ کر پکاریں مجھے قطعاً" اعتراض نہیں ہوتا۔" نانا ماموں نے چاروں کو پیار سے دیکھا تھا۔

"ان چار پیاریوں کے کارنامے بتاؤں نا تمہیں تو اش اش کر اٹھو۔" بڑی اماں نے ان چاروں کو گھورا تھا' اور وہ جو یہ سمجھے ہوئے تھیں کہ نانا ماموں کے آنے سے ان کی بچت ہوگئی ہے' بڑی اماں کی بات سن کر پھر سے بوکھلا گئیں۔

"نانا ماموں! آپ جلدی سے فریش ہو جائیں اتنے میں ہم کھانا لگاتے ہیں۔ آج بہت مزے کی کوفتہ کڑھی بنی ہے کھانے میں۔" جیا نے جلدی سے نانا ماموں کو مخاطب کیا تھا۔

"اوکے' بالکل۔ فٹافٹ دستر خوان لگاؤ بچیوں۔ کڑھی کا نام سنتے ہی میری بھوک چمک گئی ہے۔" نانا ماموں بشاشت بھرے لہجے میں مخاطب ہوئے۔

"بچیاں۔" واقعی پھرتی سے دستر خوان لگانے بھاگی تھیں' شکر ہے کھانے کے دوران بڑی اماں نے پھر کوئی "متنازعہ" موضوع نہ چھیڑا تھا' وہ زیادہ تر ابتہاج سے گفتگو کرتی رہی تھیں اور اس گفتگو سے چاروں لڑکیوں کو بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ نانا ماموں کا یہ ہینڈسم سا پوتا بہت پڑھا لکھا' ذہین اور قابل شخص ہے۔ بڑی اماں اس کی قابلیت اور لیاقت کے بارے میں جان کر خوشی سے نہال ہوئے جارہی تھیں۔ ماشاء اللہ کہتے کہتے ان کے لب نہ تھک رہے تھے۔ ذہانت ہمیشہ سے ہی بڑی اماں کی کمزوری رہی تھی۔ وہ خود اپنے وقت میں بہت ذہین و فطین شخصیت تھیں' بلکہ ان کا پورا گھرانہ ہی بہت پڑھا لکھا' ذہین اور قابل گھرانہ تھا۔ انہوں نے اپنے ابا سے صاف صاف کہہ رکھا تھا کہ وہ ان کے لیے جو شریک سفر ڈھونڈیں' اس میں کوئی اور خوبی ہو یا نہ ہو اسے ذہین اور قابل ہونا چاہیے۔ ابا میاں نے لاڈلی کے لیے ایک ذہین ڈھونڈ ہی لیا تھا۔

مرزا ذہین احمد بیگ' جو ابا میاں کے دوست کے بھانجے تھے' پہلی نگاہ میں ہی انہیں سطوت آرا کے لیے پسند آگئے۔ شادی کے بعد سطوت آرا کو اندازہ ہوا کہ ذہین احمد میں اور بھلے سے بہتیری خوبیاں ہوں' مگر وہ ہرگز بھی ذہین نہیں تھے' قسمت کی کیا ستم ظریفی تھی کہ وہ ذہین ہوتے ہوئے بھی ذہین نہ تھے۔ یہ شکر تھا کہ کاروبار میں دماغ چلا لیتے تھے۔ ننھیال کی طرف سے بہت سی زرعی زمین بھی ملی ہوئی تھی' گزارہ اچھا ہو جاتا تھا۔ ذہین احمد محبت کرنے والے نرم خو شوہر ثابت ہوئے۔ سطوت آرا نے ان کے ساتھ کامیاب ازدواجی زندگی گزاری لیکن دل کے نہاں خانوں میں یہ حسرت ہمیشہ موجود رہی کہ کاش ان کے شریک حیات پڑھے لکھے اور انٹلکچوئل شخصیت کے مالک ہوتے۔ ان کی تمام تر توقعات کا مرکز و محور اب ان کی اولاد تھی۔ عبدالواسع اور عبدالرافع۔ دونوں بیٹوں نے رنگ و روپ ماں کا چرایا تھا تو نین نقش باپ سے

مستعار لیے تھے اب یہ طے ہونا باقی تھا کہ ان کا ذہن کس پر پڑا ہے۔ بظاہر دونوں بھائی بہت نٹ کھٹ شرارتی اور ذہین معلوم ہوتے تھے لیکن انہیں اسکول میں داخل کروانے کے کچھ عرصے بعد ہی سطوت آرا کو اندازہ ہو گیا کہ ذہین احمد کے دونوں بیٹے ذہانت کے اعتبار سے باپ پر ہی گئے ہیں۔ پڑھائی میں دونوں کا دماغ چلتا ہی نہ تھا۔ سطوت آرا جب بھی میکے جاتیں تو بھانجوں، بھتیجوں کی تعلیمی کارکردگی جان کر ان کا موازنہ اپنے نالائق بیٹوں سے کرتیں اور دل مسوس کر رہ جاتیں۔

عبدالواسع نے گرتے پڑتے میٹرک تو کرلیا تھا لیکن نمبر اتنے کم آئے تھے کہ کسی ڈھنگ کے کالج میں داخلہ ہی نہ مل سکا۔ ذہین احمد نے بیٹے کو اپنے ساتھ کاروبار میں لگالیا لیکن باپ کو بیٹے کو کاروباری اسرار رموز سمجھانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ذہین احمد اللہ کو پیارے ہوگئے۔ عبدالواسع ابھی بہت کم عمر تھا۔ رافع تو اس سے بھی تین برس چھوٹا تھا۔ سطوت آرا کا صدمے اور پریشانی سے برا حال تھا۔ ان کے بھائیوں نے اس مشکل وقت میں ان کی بہت ہمت بندھائی لیکن اصل مسئلہ ذہین احمد کے نقصان سے دوچار ہوتے کاروبار کا تھا۔ سطوت آرا کے بھائیوں کو بھی قطعاً کوئی کاروباری سمجھ بوجھ نہ تھی۔ وہ تو اس سلسلے میں صحیح مشورہ تک دینے کے اہل نہ تھے ایسے میں عبدالواسع نے سمجھ داری کا ثبوت دیا۔

"بابا جان کا کاروبار سنبھالنا میرے بس کی بات نہیں اماں جان! مارکیٹ میں بہت سے گھاک شکاری بابا کے کاروبار پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں وہ میری کم عمری اور ناتجربہ کاری سے بھی واقف ہیں۔ میں کاروبار کا دیوالیہ نکلنے کے بجائے کسی مناسب پارٹی کو مناسب داموں پر سب کچھ جوں کا توں فروخت کروا دیتا ہوں۔ میں گاؤں میں بابا کی زمینیں آباد کرنا چاہتا ہوں اور وہیں مزید انویسٹمنٹ کو ترجیح دوں گا۔ وہ لوگ ہمارے اپنے ہیں اور ہمارے ساتھ مخلص بھی ہیں کم از کم میری کم عمری اور ناتجربہ کاری کا فائدہ نہیں اٹھائیں گے۔ آگے فائدہ یا نقصان ہونا ہماری قسمت۔" عبدالواسع نے دھیمے لیکن مستحکم لہجے میں ماں کو مخاطب کیا۔

سطوت آرا کو بیٹے کی صلاحیتوں پر زیادہ بھروسہ تو نہ تھا مگر اس کی بات سے اتفاق کیے بنا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

وقت نے ثابت کردیا کہ عبدالواسع کا فیصلہ دانشمندی پر مبنی تھا۔ ذہین احمد کے ماموں زاد بھائی جو گاؤں میں ہی بستے تھے۔ ان کا اور ان کی اولاد کا بھرپور تعاون عبدالواسع کو حاصل رہا۔ کاروبار کے بجائے زمینیں آباد کرنے کا تجربہ کامیاب ٹھہرا تھا۔ ذہین احمد کی حادثاتی موت کا صدمہ تو ذہین ہاؤس کے مکین ایک عرصے تک نہ بھلا پائے تھے لیکن عبدالواسع کی حکمت عملی اور حوصلہ مندی نے انہیں مالی دھچکے سے بچالیا تھا۔ سطوت آرا کو بیٹے پر پیار بھی آتا اور فخر بھی محسوس ہوتا کہ کس طرح اس نے اتنی چھوٹی عمر میں گھر کا بار اپنے کندھوں پر اٹھالیا لیکن بیٹے کو پڑھا لکھا کر بڑا افسر بنانے کی ان کی خواہش تشنہ رہ گئی تھی۔ اب ان کی امیدوں کا مرکز عبدالرافع تھا۔ انہوں نے عبدالرافع کو بہترین تعلیمی اداروں میں داخلہ دلوایا۔ مہنگے کوچنگ سینٹر میں پڑھنے بھیجا۔ عبدالرافع خود بھی جان توڑ محنت کرتا تھا لیکن حافظہ ساتھ نہ دیتا اور وہ امتحانوں میں حسب توقع کارکردگی نہ دکھا پاتا پھر بھی عبدالرافع نے گرتے پڑتے بی کام کرلیا تھا۔ سطوت آرا کی خواہش تھی کہ وہ ماسٹرز بھی کرلے لیکن رافع کے سر میں کاروبار کرنے کا سودا سما گیا تھا۔ ماں اور بھائی نے اسے بہتیرا سمجھایا لیکن وہ کچھ سمجھنے پر تیار نہ تھا۔

"میں بہت قلیل سرمائے سے کام شروع کروں گا اماں، پھر بھی آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر سرمایہ ڈوب گیا تو میں آئندہ کاروبار کرنے کا نام تک نہ لوں گا۔" رافع نے ماں کے ہاتھ تھام کر لجاجت بھرے لہجے میں کہا اور سطوت آرا نے اس یقین کے ساتھ اسے کاروبار کی اجازت دے دی کہ تھوڑا نقصان برداشت کرنے پر بیٹے کو ہمیشہ کے لیے عقل آجائے تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں لیکن پڑھائی میں کند ذہن بیٹا کاروباری

سمجھ بوجھ کے حوالے سے ایسا ہوشیار نکلا کہ سب دنگ رہ گئے۔ محدود پیمانے پر شروع کیا جانے والا کاروبار آغاز میں ہی معقول منافع دینے لگا تھا۔

☼ ☼ ☼

"رافع ابا کی طرح کامیاب بزنس مین بنے گا۔ ابا کی صلاحیتیں اسے وارثت میں ملی ہیں۔" عبدالواسع چھوٹے بھائی کی کامیابی پر بہت خوش تھے۔ انہوں نے بھائی کو مزید سرمایہ فراہم کردیا۔ کاروبار مزید چمک اٹھا تھا۔ سطوت آرا بھی بیٹے کی کامیابی پر خوش تھیں، لیکن دونوں بیٹوں کے حوالے سے انہوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ پورے نہ ہوئے۔ ایک بیٹا زمیندار بن گیا تھا تو دوسرا بیٹا بزنس مین، جبکہ ان کے بھانجوں، بھتیجوں میں کوئی قابل ڈاکٹر تھا کوئی انجینئر کوئی پروفیسر تو کوئی سول سرونٹ۔ سب کتنے ہونہار اور قابل تھے، پڑھائی نے ان کی شخصیت کو کیسا وقار عطا کردیا تھا۔ پیسے کے اعتبار سے ان کے دونوں بیٹے بھی اپنے ننھیالی کزنز کے ہم پلہ تھے لیکن سطوت آرا کے نزدیک پیسہ ہی تو سب کچھ نہ تھا۔ کاش ان کا کوئی بیٹا پڑھائی، لکھائی کے میدان میں بھی آگے نکلتا۔ ان کے بھانجوں کی طرح پڑھ لکھ کر قابل افسر بنتا تو سطوت آرا کا سر بھی فخر سے بلند ہوجاتا۔ لیکن اس حوالے سے ان کی تمام خواہشیں تشنہ رہ گئی تھیں، مزید ستم یہ ہوا کہ عبدالواسع نے اپنے لیے دیہاتی پس منظر رکھنے والی واجبی پڑھی لکھی کشور سلطانہ کو شریک حیات کے طور پر منتخب کرلیا۔ سطوت آرا ان کے فیصلے پر ہکا بکا رہ گئی تھیں۔

"میں تو تمہارے لیے کسی پڑھے لکھے گھرانے کی سلجھی ہوئی لڑکی ڈھونڈ رہی تھی۔ تم نے لڑکی بھی خود ہی منتخب کرلی۔" صدمے سے سطوت آرا کا برا حال تھا۔

"کشور بھی بہت سلجھی ہوئی لڑکی ہے اماں۔ ہاں گھرانہ اتنا پڑھا لکھا نہیں لیکن وہ لوگ بہت وضع دار اور ملنسار ہیں۔ آپ تو اخلاق چچا کی فیملی کو اچھی طرح جانتی ہیں، بابا کتنا عزیز رکھتے تھے انہیں اور میں نے آپ کے منہ سے بھی ان لوگوں کی ہمیشہ تعریفیں ہی سنی ہیں۔" عبدالواسع نے ماں کو مخاطب کیا۔ اخلاق صاحب، ذہین صاحب کے فرسٹ کزن تھے جب سے عبدالواسع نے زمینداری شروع کی تھی، اخلاق صاحب کی فیملی نے عبدالواسع کی ہر ممکن طریقے سے مدد کی تھی۔ کشور سلطانہ، اخلاق صاحب کی چھوٹی بیٹی تھیں۔ خوب صورت اور بھولی بھالی کشور کب عبدالواسع کے دل میں اتر گئیں انہیں خود بھی پتا نہ چلا لیکن جب اماں جان نے ان کے لیے لڑکی ڈھونڈ مہم کا آغاز کیا تو چھم سے کشور سلطانہ کا تصور عبدالواسع کے ذہن کے پردے پر لہرا گیا۔ انہوں نے فوراً" ماں کو اپنی پسندیدگی سے آگاہ کردیا تھا۔

"اگر گاؤں سے تمہارے لیے لڑکی بیاہ لائی تو تم ہمیشہ کے لیے گاؤں کے ہی ہو کر رہ جاؤ گے۔ میں تو پہلے ہی تمہاری شکل دیکھنے کو ترستی ہوں۔" سطوت آرا آبدیدہ ہوگئی تھیں۔

"میں جہاں بھی رہوں گا اماں، آپ کی بہو آپ کے پاس رہے گی۔" عبدالواسع نے ماں کے ہاتھ تھام کر یقین دلایا۔

"میرا ارادہ تھا کہ تمہارے لیے نگہت کی کوئی بیٹی مانگوں گی۔ کتنی خوب صورت اور پڑھی لکھی بچیاں ہیں۔" انہوں نے اپنی بھانجیوں کا تذکرہ کیا۔

"میرے لیے کشور ہی مناسب رہے گی اماں، پھر میں کون سا زیادہ پڑھا لکھا یا عالم فاضل ہوں، معمولی سا زمیندار ہی تو ہوں۔ نگہت خالہ کی کوئی سی بھی بیٹی میرے ساتھ گزارہ نہ کرپائے گی۔" عبدالواسع نے حقیقت پسندی سے کام لیا۔ سطوت آرا بیٹے سے مزید بحث نہ کرپائیں۔ بوجھل دل کے ساتھ کشور سلطانہ کو بیاہ لائیں۔ کشور اچھی بیوی اور اچھی بہو ثابت ہوئیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ انہوں نے سطوت آرا کے دل میں جگہ بنا ہی لی، لیکن سطوت آرا کے دل میں پڑھی لکھی اور رکھ رکھاؤ والی شہری بہو کی خواہش اب بھی موجود تھی۔ رافع کا کاروبار جم گیا تو انہوں نے رافع کی شادی کرنے کی ٹھانی۔ رافع نے سعادت مند اولاد بن کر شادی کے فیصلے کا اختیار ماں کو سونپ رکھا

تھا۔ سطوت آرا نے رافع کے لیے اپنی چھوٹی بہن نگہت سے ان کی بیٹی کا ہاتھ مانگا تھا۔

"آپ کی خواہش سر آنکھوں پر آپا لیکن نائلہ کو بھائی جان' آذر کے لیے پہلے ہی مانگ چکے ہیں اور شائلہ اپنے کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ ہے۔ اچھی فیملی کا لڑکا ہے' پڑھا لکھا اور قابل ہے۔ شائلہ کے ابو بھی اس رشتے پر معترض نہیں' ظاہر ہے زندگیاں بچوں نے گزارنی ہیں۔ دونوں کے درمیان ذہنی ہم آہنگی ہے' پروفیشن بھی ایک ہے اسی لیے ہم۔"

"ناجیہ کے بارے میں کیا سوچا؟" سطوت آرا نے بہن کی بات کاٹتے ہوئے دھیرے سے پوچھا۔ ناجیہ نگہت کی سب سے چھوٹی بیٹی تھی۔

"آپا! آپ میری بڑی بہن ہیں۔ میرا مقصد ہرگز آپ کو دکھ پہنچانا نہیں لیکن آپ تو جانتی ہیں نائلہ' شائلہ کے ابو تعلیم کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اور رافع بلاشبہ مجھے بہت پیارا ہے لیکن اس کی تعلیم۔" نگہت نے شرمندہ سے لہجے میں بڑی بہن کی توجہ اس حقیقت کی جانب دلائی جس کو وہ دیدہ و دانستہ نظرانداز کیے بیٹھی تھیں۔

"جیسی تم لوگوں کی خوشی۔" بہت ملول اور دلگرفتہ ہو کر وہ بہن کے پاس سے آئی تھیں لیکن اب ان کی زندگی کا یہ ہی مقصد رہ گیا تھا کہ وہ عبدالرافع کے لیے خاندان سے باہر کی کوئی بہت قابل اور پڑھی لکھی لڑکی ڈھونڈیں۔ رشتہ کروانے والی ماسیوں کی خدمات حاصل کر کے انہوں نے من پسند بہو ڈھونڈ ہی لی تھی۔ نغمانہ ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔ کیمسٹری میں ایم ایس سی کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ گرلز کالج میں پڑھاتی تھیں۔ چھ بہن بھائیوں میں نغمانہ کا دوسرا نمبر تھا۔ متوسط والدین کی خواہش تھی کہ جلد از جلد بیٹی کے ہاتھ پیلے کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو جائیں جبکہ نغمانہ کے عزائم بہت بلند تھے' وہ پی ایچ ڈی کرنا چاہتی تھیں۔ ذہانت خداداد تھی لیکن والدین اپنی بساط کے مطابق پڑھا چکے تھے انہوں نے دوسرے بچوں کے متعلق بھی سوچنا تھا۔ سطوت آرا' رافع کے لیے نغمانہ کا رشتہ مانگنے گئیں تو نغمانہ کے والدین کو نستعلیق لہجے میں بولنے والی یہ پروقار سی خاتون بہت پسند آئیں۔

"ہم سفید پوش لوگ ہیں بہن۔ اپنے بچوں کو زیور تعلیم سے آراستہ کر دیا ہے' یہ فخر ہی ہماری پونجی ہے اور یہ ہی ہماری خواہش تھی کہ ہماری بچیاں سلجھے ہوئے پڑھے لکھے خاندانوں میں بیاہی جائیں' آپ کی آمد ہمارے لیے باعث اعزاز ہے۔" نغمانہ کے والد شائستگی سے سطوت آرا سے مخاطب ہوئے۔

"میں آپ کو اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتی بھائی صاحب' میرا بیٹا کوئی بہت زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ اس نے محض بی کام کر رکھا ہے لیکن ماشاءاللہ چلتا ہوا کاروبار ہے اس کا اور رافع کے پاس بھلے سے کوئی بڑی ڈگری نہیں لیکن آپ ایک بار اس سے ملیں تو سہی۔ لاکھوں میں ایک ہے میرا بیٹا خوب صورت' کھاتا کماتا' شریف النفس۔ ایسا لڑکا آپ کو ڈھونڈے سے بھی نہ ملے گا۔" انہوں نے نغمانہ کے والد کو مخاطب کیا۔ حسب توقع وہ رافع کی تعلیمی قابلیت جان کر کچھ متذبذب نظر آئے تھے۔ قریب تھا کہ سطوت آرا یہاں سے بھی مایوس لوٹ آتیں لیکن نغمانہ کی والدہ نے رافع کا رشتہ قبول کرتے ہوئے ان کا دامن خوشیوں سے بھر دیا۔

"ہمیں یہ رشتہ منظور ہے لیکن نغمانہ شادی کے بعد اپنا تعلیمی سلسلہ جاری رکھنا چاہتی ہے' ڈاکٹریٹ کرنا اس کا جنون ہے اگر آپ۔"

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ نغمانہ پر شادی کے بعد کسی قسم کی کوئی پابندی نہ ہوگی۔ وہ ڈاکٹریٹ بھی کرے گی اور اپنا کیریئر بھی بنائے گی' میں ہر قدم پر اس کا ساتھ دوں گی۔" سطوت آرا نے انہیں یقین دہانی کروائی تھی اور نغمانہ اور رافع کی شادی کے بعد انہوں نے یہ قول نبھایا بھی تھا۔ شادی کے بعد نغمانہ کو گورنمنٹ جاب مل گئی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ پی ایچ ڈی بھی کر رہی تھیں۔ سطوت آرا نے نغمانہ پر گھریلو ذمہ داریوں کا بالکل بوجھ نہ ڈالا تھا۔ گھر کی ذمہ داریاں

کشور بطریق احسن نبھا رہی تھیں۔ یہ شفیق ساس اور پرخلوص جٹھانی کا ہی تعاون تھا کہ نغمانہ نے اپنا ڈاکٹریٹ مکمل کرلیا تھا۔ اللہ نے مناہل اور عرشیہ کی صورت میں انہیں اپنی رحمتوں سے بھی نواز دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عبدالواسع اور کشور سلطانہ کے تین بچے تھے۔ تابش بڑا بیٹا تھا جبکہ جیا اور فریال اس سے چھوٹی تھیں۔ عبدالواسع نے بیوی' بچوں کو ماں کے پاس شہر میں ہی رکھا ہوا تھا جبکہ وہ اپنا زیادہ وقت زمینوں پر ہی گزارتے تھے۔ پندرہ دن بعد دو چار روز کے لیے شہر آتے اور پھر دوبارہ گاؤں چلے جاتے۔ "ذہین ہاؤس" اب رافع اور واسع کے بچوں کی چہکاروں سے گونجتا تھا۔ سطوت آرا اپنے آشیانے کی رونقیں دیکھ کر جی ہی جی میں خوب نہال ہوتیں لیکن پھر جیسے اس ہنستے بستے گھر کو کسی کی نظر لگ گئی۔ شادی کے دس برس بعد نغمانہ نے رافع سے علیحدگی کا مطالبہ کردیا۔ نغمانہ اب کیمسٹری کی پروفیسر تھیں اور علیحدگی کی وجہ بتانے کے لیے انہوں نے کیمسٹری کی اصطلاع ہی استعمال کی تھی۔

"دس برسوں سے میں رافع کے ساتھ ایک سمجھوتے بھری زندگی گزار رہی ہوں حالانکہ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ ہماری مینٹل کیمسٹری بالکل نہیں ملتی' پھر بھی میں نے خود کو کسی انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھا لیکن اب میں یہ ان چاہا بندھن مزید نہیں نبھا سکتی۔ رافع یا تو مجھے طلاق دے دیں ورنہ میں خلع کے لیے کیس فائل کردوں گی۔" سرد اور دوٹوک انداز میں اعلان کرتی یہ نغمانہ ہی تھیں یا کوئی اور۔ سطوت آرا کو اپنی بصارت پر اعتبار نہیں آرہا تھا۔ اس گھر نے نغمانہ کو کیا کچھ نہ دیا تھا۔ پیار' محبت' عزت' احترام' مان' مرتبہ اور سب سے بڑھ کر اپنے خوابوں کو پورا کرنے کی آزادی' نہ صرف آزادی بلکہ ان خوابوں کو پورا کرنے کے لیے بھرپور تعاون۔ یہ سب کچھ نغمانہ دس برس تک اپنا حق سمجھ کر وصول کرتی رہیں اور اب وہ کہہ رہی تھیں کہ یہ ان چاہا بندھن مزید نہیں نبھا سکتیں۔

سطوت آرا اب گزرے ماہ و سال پر نظر دوڑاتیں تو اندازہ ہوتا کہ نغمانہ نے نہ کبھی اس گھر کو اپنا مانا تھا نہ رافع کو۔ وہ تو آج تک مہمانوں کی طرح اس گھر میں زندگی بسر کرتی آئی تھیں۔ رافع کے ساتھ بھی ان کا انداز بہت لیا دیا سا ہوتا تھا۔ وہ نغمانہ کے گریز بھرے رویے کو پڑھی لکھی بہو کے پُروقار طور طریقے قرار دیتی رہیں' کتنی بھول ہوئی تھی ان سے۔ پتھر کو ہیرا سمجھتی رہیں۔ شاید نغمانہ کی بھاری بھرکم ڈگریوں نے انہیں اتنا مرعوب کیے رکھا کہ وہ آنکھوں دیکھی حقیقتوں سے صرف نظر کرتی رہیں۔ رافع نے اپنے آپ کو کاروبار میں اس بری طرح الجھالیا تھا کہ وہ گھر کو بالکل ٹائم ہی نہ دیتا تھا اور جب سطوت آرا بیٹے کو گھرکتی تھیں تو کیسے رافع کے لبوں پر آزردہ سی مسکراہٹ بکھر جاتی تھی' وہ کچھ کہتے کہتے رک جاتا تھا۔ بات کو مزاح کا رنگ دے کر ٹال جاتا تھا۔ شاید وہ ماں کو شرمندہ نہ کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے اس کے لیے جو شریک حیات منتخب کی تھی اس کی زندگی کے بلند و بالا عزائم میں رافع کبھی بھی اور کہیں بھی نہ تھا۔ جو حقیقت بیوی کے رویے سے رافع شادی کے ابتدائی دس دنوں میں جان گیا تھا وہ بہو کی زبانی جاننے میں سطوت آرا کو دس برس لگے تھے۔ نغمانہ کے شریف النفس والدین بیٹی کے مطالبے پر شرمندہ تھے' وہ سطوت آرا اور رافع کو یقین دلا رہے تھے کہ وہ نغمانہ کو سمجھا بجھا کر واپس ذہین ہاؤس بھیج دیں گے۔

نغمانہ کے لیے اگرچہ سطوت آرا کے دل میں اب کوئی گنجائش نہ تھی لیکن پھر بھی ان کی یہی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح رافع اور نغمانہ کے درمیان مصالحت ہوجائے۔ نغمانہ طلاق کا مطالبہ واپس لے لیں تو رافع بچیوں کی خاطر نغمانہ کو معاف کرکے گھر واپس آنے دیں۔ شاید جگ ہنسائی کے خوف سے رافع مصالحت کا یہ کڑوا گھونٹ پی بھی لیتے' لیکن نغمانہ کی طرف سے خلع کا نوٹس مل گیا۔ نغمانہ نے اپنے

والدین کا گھر بھی چھوڑ دیا تھا' وہ ہاسٹل میں رہنے لگی تھیں۔

سننے میں آیا تھا کہ وہ اپنے کولیگ' پروفیسر ابیق ہمدانی کے ساتھ دن کا بیشتر وقت گزارنے لگی ہیں اور جب یہ سنی سنائی بات رافع نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی تو انہیں فیصلے پر پہنچنے میں مزید دیر نہ لگی۔ یہاں انہوں نے نغمانہ سے آخری بار رابطہ کرکے انہیں یہ باور کرا دیا تھا کہ طلاق کے بعد وہ بچیوں پر کسی قسم کا کوئی حق نہ رکھیں گی اور اس بات کی انہیں تحریری ضمانت دینی ہوگی۔ نغمانہ کی زندگی کے نئے سیٹ اپ میں بیٹیوں کی کوئی گنجائش تھی بھی نہیں' سو انہیں رافع کی شرط ماننے میں کوئی تامل نہ ہوا۔ ماں' باپ کی علیحدگی کے وقت منائل آٹھ برس جبکہ عرشیہ پونے سات برس کی تھی۔ ماں کے ہوتے ہوئے بھی وہ دونوں تائی کے زیادہ قریب تھیں۔ نغمانہ کے پاس بچیوں کے لاڈ اٹھانے یا ضدیں اور فرمائشیں پورے کرنے کا وقت ہی کب ہوتا تھا۔ وہ عجیب بے حس قسم کی عورت تھیں۔ شاید والدین نے ان کی مرضی کے خلاف جو رشتہ جوڑا تھا وہ دل سے کبھی اس رشتے کو قبول ہی نہ کرپائیں۔ اپنی کوکھ سے جنی بچیاں بھی ان کے لیے عبدالرافع کی بیٹیاں تھیں۔ زندگی نے جیسے ہی انہیں موقع دیا' انہوں نے زبردستی جوڑے گئے اس بندھن سے چھٹکارا حاصل کرلیا۔

نغمانہ نے تو خوشی خوشی پروفیسر ابیق کے ہمراہ زندگی کا نیا سفر شروع کردیا تھا لیکن ذہین ہاؤس میں سوگ کا سماں تھا۔ اس کے مکین ایک دوسرے سے نگاہیں ملاتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔ نغمانہ کے عمل سے رافع کی انا اور غیرت پر کاری ضرب پڑی تھی۔ وہ رات بھر جاگتے اور سگریٹیں پھونکتے رہتے۔ کاروبار سے بھی توجہ ہٹ گئی تھی۔ سطوت آرا بیٹے کی اجڑی حالت دیکھ کر ازحد پریشان تھیں۔ پھر رافع نے باہر جانے کا اعلان کرکے سب کو حیران کردیا۔ رافع کا کوئی دوست دبئی میں کاروبار شروع کررہا تھا' اس نے رافع کو بھی شراکت کی دعوت دی۔ رافع نے گھر والوں سے مشورہ کیے بغیر پاکستان میں کاروبار وائنڈ اپ کردیا اور اس سرمائے سے دوست کی شراکت داری میں دبئی میں چھوٹے سے بزنس پروجیکٹ کا آغاز کردیا۔ ناکام ازدواجی زندگی سے قطع نظر' رافع قسمت کا دھنی تھا۔ تجربہ کامیاب ٹھہرا تھا اور اب دبئی میں موجود رافع کا دوست اسے دبئی بلوا رہا تھا کہ اکیلے کام سنبھالنا اب اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ رافع نے اس بار سطوت آرا سے اجازت نہ مانگی تھی بلکہ انہیں اپنے دبئی سیٹل ہونے کے فیصلے سے آگاہ کیا تھا۔

''عرشیہ اور منائل کا کیا سوچا۔ ماں کے بعد کیا وہ باپ کی شفقت سے بھی محروم ہوجائیں۔'' سطوت آرا بیٹے کے پردیس جانے کے فیصلے سے سخت پریشان تھیں۔

''دوسرے ملک جارہا ہوں اماں' دوسری دنیا تو نہیں۔'' رافع بےزاری سے گویا ہوئے۔ سطوت آرا نے دہل کر استغفار پڑھا۔

''اور دبئی کون سا دور ہے اماں۔ نام کا پردیس ہے۔ آنا جانا کچھ مشکل نہیں' میں جلد چکر لگایا کروں گا۔'' رافع نے ماں کو یقین دلایا۔

''پھر بھی رافع۔'' سطوت آرا اب بھی متذبذب تھیں۔

''خدا کے لیے اماں مجھے یہاں سے نکلنے دیں' میں یہاں گھر میں کب تک چھپ کر بیٹھا رہوں۔ نغمانہ نے مجھے دنیا سے نگاہیں ملانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ آپ سے بہتر میری ذہنی کیفیت کون سمجھ سکتا ہے۔'' رافع تھکے ماندے لہجے میں ماں سے مخاطب ہوئے۔

''میں تو بچیوں کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔'' سطوت آرا آزردگی سے بولی تھیں۔

''بچیوں کے پاس آپ ہیں' کشور بھابھی اور واسع بھائی ہیں پہلے بھی میں کون سا بچیوں کو زیادہ ٹائم دے پاتا تھا۔ جس طرح انہیں ماں کے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑا' وہ میری غیر موجودگی کی بھی عادی ہوجائیں گی۔'' رافع نے لاپروا سا انداز اختیار کرنا چاہا۔

''عرشیہ کی مجھے فکر نہیں۔ چھوٹی ہے پھر من موجی

سی ہے' اس کا سارا دھیان کھیل کود کی طرف ہے لیکن مناہل بہت حساس ہے۔ وہ اس چھوٹی عمر میں بھی بڑی بڑی باتیں سوچتی ہے۔ تمہیں کیا پتا نغمانہ کے گھر چھوڑنے کے فیصلے پر وہ کتنے دن تک ڈسٹرب رہی تھی' میں نے بہت مشکل سے اسے نارمل کیا ہے اور اب تم بھی بیٹیوں سے دور جارہے ہو۔"

"آپ ہیں نا اماں۔ مجھے یقین ہے اس بار بھی مناہل کو سمجھالیں گی۔" رافع دھیرے سے کہتے ہوئے ماں کے پاس سے اٹھ گئے' لیکن ان کی آنکھوں کی چمکتی نمی سطوت آرا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ پائی۔ ان کا دل مزید بوجھل ہوگیا اور پھر رافع چلے گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

مناہل اور عرشیہ دادی اور تایا' تائی کے سایہ عافیت میں پروان چڑھنے لگیں۔ کشور بیگم ان دونوں کو اپنے بچوں جتنا ہی چاہتی تھیں۔ پانچوں کزنز میں خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ تابش سب سے بڑا تھا لیکن وہ اپنی بڑائی کا کبھی رعب نہ جماتا تھا۔ بہت ہنس مکھ اور دوستانہ مزاج پایا تھا اس نے کشور بیگم نے اکلوتے بیٹے کو جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی باور کردیا تھا کہ مناہل یا عرشیہ میں سے کسی ایک کو ہی اس کی دلہن بننا ہے۔

"مناہل تو میرے لیے بالکل جیا اور فریال جیسی ہے۔" تابش ماں کی بات سن کر گھبرا گیا تھا۔

"تو بس ٹھیک ہے' میرا اپنا خیال بھی عرشیہ کی طرف تھا۔ وہ میری سب سے بھولی بیٹی ہے اس کے لیے تمہارا ساتھ ہی مناسب رہے گا۔" کشور سلطانہ نے مطمئن انداز میں فیصلہ سنادیا تھا۔

"عرشیہ مجھ سے پانچ برس چھوٹی ہے لیکن۔۔۔" تابش نے پرسوچ انداز میں بات ادھوری چھوڑی۔

"کیا لیکن۔۔۔؟" کشور ذرا پریشان ہوئیں۔ تابش نے ماں کا چہرہ دیکھا پھر مسکرادیا۔

"عرشیہ اچھی باؤلنگ کرواتی ہے۔ کرکٹ کی سمجھ بوجھ بھی ہے اور میرے علاوہ پورے گھر میں کرکٹ کی صرف وہ ایک دیوانی ہے' سو خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ اچھا فیصلہ ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" تابش نے مسکراتے ہوئے ماں کا فیصلہ قبول کرلیا تھا۔ کشور سلطانہ نے شوہر اور ساس کو بھی یہ خوشخبری سنادی تھی۔ یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ لڑکیوں تک یہ ۔۔۔ خبر نہ پہنچتی سو باقاعدہ منگنی نہ ہوتے ہوئے بھی اس روز سے عرشیہ' تابش کی منگیتر بن گئی تھی۔ جیا اور فریال بھی اس فیصلے کے بارے میں جان کر بہت خوش ہوئی تھیں لیکن جب عرشیہ کی حماقتوں کے سنگین نتائج ان چاروں کو بھگتنے پڑتے تو مصنوعی تشویش کے عالم میں دونوں بہنیں سر پکڑ کر تابش کے مستقبل کے بارے میں خوب پریشانی کا اظہار بھی کرتیں۔

سطوت آرا کی شدید خواہش تھی کہ ان کے پوتے' پوتیاں پڑھائی' لکھائی کے میدان میں خاندان کا نام روشن کریں' لیکن وہ "ذہین ہاؤس" کے بچے تھے۔ ذہنی اعتبار سے اپنے باپ' دادا پر ہی گئے تھے۔ پڑھائی کے علاوہ ہر چیز میں ان کا دماغ چلتا تھا۔ تابش تو پیدائشی کھلاڑی تھا۔ قلم چلانا بعد میں آیا' بلا گھمانا پہلے آگیا تھا۔ پہلے اسکول اور پھر کالج کی سطح پر کرکٹ کھیل کر اتنا نام کمایا کہ اب وہ ایک جانا پہچانا فرسٹ کلاس کرکٹر تھا۔ شہرت کے ساتھ ساتھ اب وہ ٹھیک ٹھاک پیسہ بھی کما رہا تھا۔ ماں' باپ مطمئن' بہنیں خوش۔ منگیتر بے تحاشا خوش رہیں دادی تو انہوں نے بھی آخر کار پوتے کے کھیل سے سمجھوتہ کرلیا تھا۔ کچھ بھی تھا اسی کھیل کے طفیل بینک میں نوکری تو ملی ہوئی تھی نا۔

پوتیوں میں مناہل' عرشیہ اور فریال میں سے کسی کا بھی ذہن بہت اچھا نہ تھا۔ مناہل دل جمعی سے پڑھنے کی کوشش کرتی مگر حافظہ ساتھ نہ دیتا' جو یاد کرتی بھول جاتی۔ فریال کا حافظہ اچھا تھا تو لکھائی بے حد خراب۔ وہ اپنا لکھا ہی دوبارہ نہ پڑھ پاتی تھی اور عرشیہ کا تو نہ حافظہ اچھا تھا اور نہ ہی لکھائی اسی لیے وہ کتابیں پڑھنے کا خاص تردد بھی نہ کرتی تھی۔ پیپرز میں کوئی نہ کوئی سہیلی مدد کر ہی دیتی تھی۔ گزارے لائق نمبر آجاتے اور اگلی

کلاس میں داخلہ مل جاتا۔ ہاں جیا ان تینوں سے مختلف تھی۔ بے حد ذہین نہ سہی مگر وہ ذہین ہاؤس کی اگلی پچھلی نسلوں میں سب سے ذہین لڑکی تصور کی جاتی تھی۔ فورتھ کلاس میں تھرڈ پوزیشن آنے پر جیا کو جو ٹرافی ملی تھی وہ آج بھی سطوت آرا نے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ پانچویں جماعت تک جیا کا شمار اپنی کلاس کی پانچ بہترین اسٹوڈنٹس میں ہوتا تھا۔ آٹھویں تک وہ پہلی دس لڑکیوں میں شامل ہونے لگی۔ نویں، دسویں میں سطوت آرا کی بھرپور کوششوں کے باوجود رزلٹ کے اعتبار سے وہ اپنی کلاس میں چودھویں نمبر پر آئی تھی۔ تنزلی کا یہ سفر جاری و ساری رہا اور اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ فریال، مناہل اور عرشیہ کے ساتھ جیا کی شکایت کرنے کے لیے پرنسپل مسلسل ان کے پیرنٹس کو بلوا رہی تھیں۔ عرشیہ کو "امی جی" بنانے کا خیال بھی جیا کے زرخیز ذہن کی ہی پیداوار تھا۔ ڈرامے کا ڈراپ سین بہرحال بہت بھیانک تھا۔ اگر نانا ماموں نہ آتے تو جانے کتنے دن تک چاروں کو بڑی اماں کا عتاب سہنا پڑتا۔

دو برس پہلے عبدالواسع کو معمولی سا انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔ سطوت آرا نے کشور سلطانہ کو شوہر کے ساتھ گاؤں میں ہی قیام کرنے کا حکم سنا دیا تھا۔ پندرہ بیس دن بعد واسع اور کشور شہر کا چکر لگاتے تھے۔ بچیاں روتے بسورتے دادی کے مظالم کی داستان سناتیں تو سطوت آرا کے پاس بھی پوتیوں کی شکایتوں کا ایک انبار موجود ہوتا۔ واسع اور کشور فریقین کو سمجھا بجھا کر واپس گاؤں سدھار جاتے۔ تابش مختلف ٹورنامنٹس میں شرکت کی غرض سے شہر سے باہر جاتا رہتا تھا۔ اس کی موجودگی میں "ذہین ہاؤس" کا امن و سکون برقرار رہتا۔ دادی کا غصہ بھگانے کے لیے تابش کے پاس ایک سو ایک ترکیبیں تھیں۔ لڑکیاں آج کل تابش کی غیر موجودگی شدت سے محسوس کر رہی تھیں جس روز نانا ماموں اپنے پوتے کے ہمراہ پہنچے اسی رات تابش بھی واپس لوٹ آیا تھا۔ اب بہت دن تک راوی نے چین ہی چین لکھنا تھا۔ اس رات جیا، فریال، مناہل اور عرشیہ کو بہت گہری اور پرسکون نیند آئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"یہ جو نانا ماموں کا پوتا ہے۔ اچھی خاصی پرسنالٹی ہے اس کی اور لہجہ اور آواز بھی۔ بہت شاندار ہے کل جب بڑی اماں کے پوچھنے پر اپنی ڈگریوں کی تفصیل بتا رہا تھا تو بیچ میں تو بہت امپریس ہوئی اس سے۔" عرشیہ برتن دھوتے ہوئے فریال سے مخاطب ہوئی۔ فریال اس وقت چائے بنا رہی تھی۔

"ہاں بندہ تو واقعی شاندار ہے اور پتا ہے وہ اپنے آفس کے کام سے ہمارے شہر آرہا تھا، نانا ماموں کو پتا چلا تو وہ بھی ساتھ آگئے اور اچھا ہوا جو نانا ماموں چلے آئے وہ نہ آتے تو سوچو کل کیا بنتا ہمارا۔" فریال کو گزرا کل یاد کر کے نئے سرے سے جھرجھری آگئی۔

"بڑی اماں پوچھ رہی ہیں تم لوگ چائے بنا رہی ہو یا پائے۔" اسی لمحے جیا نے کچن میں جھانکا تھا۔

"بس لا ہی رہی ہوں جا کر بتا دو بڑی اماں کو۔ دو منٹ کی دیر سویر بھی برداشت نہیں ہوتی۔" فریال بڑبڑاتے ہوئے ٹرے میں چائے کے مگ سیٹ کرنے لگی۔ اتنے میں عرشیہ کے بھی برتن دھل چکے تھے۔ وہ دونوں اکٹھی لاؤنج میں داخل ہوئی تھیں۔ بڑی اماں، نانا ماموں ابتاج، تابش اور جیا سب کا دھیان ٹی وی کی طرف تھا کرنٹ افیئرز کے پروگرام میں کوئی اہم معاملہ ڈسکس ہو رہا تھا سو سب کا انہماک دیدنی تھا۔ عرشیہ بھی جیا کے ساتھ بیٹھ گئی۔ فریال سب کو چائے سرو کرنے لگی تھی۔ "ذہین ہاؤس" کے مکین جب تک کھانے کے بعد چائے نوش نہ فرماتے ان کا کھانا ہضم نہ ہوتا۔ اس وقت بھی ڈنر کے بعد چائے کا دور چل رہا تھا۔ سب نے اپنے کپ اٹھا لیے تھے مگر ٹرے ابتاج کے سامنے آئی تو اس نے شائستگی سے معذرت کی تھی۔

"نو تھینکس میں رات کو چائے نہیں پیتا۔"

"پینی بھی نہیں چاہیے ابتاج بھائی، نیند اڑ جاتی ہے۔" عرشیہ نے چائے سے لبالب بھرا مگ ہونٹوں

سے لگاتے ہوئے بہت متانت سے ابتہاج کو مخاطب کیا تھا۔ ابتہاج محض مسکرا دیا تھا۔ نانا ماموں کو ہنسی آگئی۔

"تکلف کیوں برت رہے ہو یار۔ بتا دو کہ کافی پیتا ہوں۔" انہوں نے پوتے کو مخاطب کیا۔

"ارے تو پہلے بتانا تھا نا۔ اب تک تو کافی بن بھی چکی ہوتی۔" بڑی اماں ابتہاج کے تکلف پر ذرا خفا ہوئیں پھر پوتیوں پر نگاہ ڈالی۔ تینوں میں سے کسی نے بھی نانا ماموں کی بات سننے کے باوجود کافی بنانے کے لیے اپنی خدمات پیش نہیں کی تھیں۔ مزے سے اپنی اپنی چائے کی چسکیاں لینے میں مصروف تھیں۔ جیا تو موسمی فلو کی لپیٹ میں تھی اور اس نے کچن کے کاموں سے رضاکارانہ دستبرداری اختیار کر رکھی تھی۔ فریال سب کی چائے بنا چکی تھی اس کا دوبارہ کچن میں گھسنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ سطوت آرا نے عرشیہ کو اٹھانا چاہا تھا۔

"جاؤ عرشیہ' بھائی کے لیے کافی بنا کر لاؤ۔"

"عرشیہ جو کافی بنا کر لائے گی وہ کافی بدمزہ ہوگی' اسے پینے کے لیے خاصی ہمت درکار ہوگی۔" تابش مسکراتے ہوئے بولا تھا۔ عرشیہ نے تابش کی بات پر اظہار ناراضی کے بجائے اسے نہایت ممنونیت سے دیکھا تھا۔

"مناہل کہاں ہے۔ اس سے کہو وہ کافی بنا کر لائے۔" بڑی اماں نے اپنی تین عدد نکمی پوتیوں کو خفگی سے گھورتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں مناہل واقعی مزے کی کافی بناتی ہے' میں جا کر کہتی ہوں اس سے۔" بڑی اماں کی تیکھی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے عرشیہ پھرتی سے اٹھی تھی' تین چار منٹ بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔

"مناہل کو جگا کر آئی ہوں۔ ابھی بنا کر لا رہی ہے کافی۔"

"مجھے کافی کی کوئی خاص طلب نہیں تھی اگر مناہل سو رہی تھیں تو آپ کو انہیں جگانا نہیں چاہیے تھا۔" ابتہاج جی بھر کر شرمندہ ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے ناحق کسی کو زحمت اٹھانی پڑے' یہ اسے کب گوارا تھا۔

"اب تو اس نے جاگنا ہی تھا ابتہاج بھائی۔ نہ تو اس نے رات کا کھانا کھایا تھا نہ عشاء کی نماز پڑھی تھی' وہ تو ذرا سر میں درد ہو رہا تھا تو مغرب پڑھ کر بستر میں گھس گئی تھی پھر آنکھ لگ گئی ہوگی۔" اس بار فریال نے آگاہ کیا تھا۔ ابتہاج چپ رہا مگر دل ہی دل میں وہ خوب خفت محسوس کر رہا تھا۔ ذرا دیر بعد مناہل ٹرے میں کافی کا مگ سجائے چلی آئی تھی۔ گلابی آنکھوں میں اب بھی نیند کا خمار باقی تھا۔ خاموشی سے ٹرے بڑی اماں کے آگے کی تھی۔

"مجھے نہیں ابتہاج کو دو۔" سطوت آرا نے اسے مخاطب کیا۔ عرشیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔

"میں نے آپ کا نام لے کر ہی جگایا تھا ورنہ اتنے آرام سے بستر کی جان کب چھوڑتی یہ۔" عرشیہ کے کہنے پر مناہل خفیف سی ہوگئی تھی۔ ابتہاج نے دلچسپی سے اس لڑکی کے چہرے پر پھیلنے والے شرمندگی کے رنگ دیکھے تھے۔ وہ بلاوجہ شرمندہ ہو رہی تھی جبکہ عرشیہ اب بھی مزے سے مسکرا رہی تھی۔

"سوری' میری وجہ سے آپ کی نیند ڈسٹرب ہوئی۔" کافی کا مگ تھام کر ابتہاج نے شائستگی سے معذرت کی تھی۔

"کہا تو ہے ابتہاج بھائی مناہل نے اٹھنا ہی تھا۔" اس بار بھی فریال کی طرف سے جواب آیا تھا۔ مناہل چپ چاپ واپس پلٹ گئی تھی۔ اس کو واقعی ابھی کھانا بھی کھانا تھا اور نماز بھی پڑھنی تھی۔ لاؤنج میں بیٹھے سب نفوس ٹی وی کی جانب ہی متوجہ تھے لیکن کافی پیتے ابتہاج کا دھیان جانے کیوں کافی بنا کر لانے والی کی جانب ہی لگا رہا۔ اسے کافی تو اچھی لگی سو لگی' کافی بنانے والی بھی کافی اچھی لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

نانا ماموں اور ابتہاج واپس لوٹ گئے تھے۔ تابش ایک بار پھر کسی ٹورنامنٹ میں شرکت کی غرض سے دوسرے شہر چلا گیا تھا۔ اب ذہین ہاؤس میں بڑی اماں تھیں اور ان کی چار عدد نکمی پوتیاں۔ بڑی اماں اب

پوتیوں کے نکتے پن پر کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہ تھیں۔ چاروں کے لیے سخت گیر ٹیوٹر کا بندوبست کردیا گیا تھا۔ چاروں اب واقعی دل لگا کر پڑھنے میں مصروف تھیں۔ پھر ان ہی دنوں رافع اپنی بیگم کو لے کر پاکستان چھٹیاں گزارنے آگئے۔

پانچ برس بیشتر رافع نے اپنے پارٹنر دوست کی بیوہ بہن سے شادی کرلی تھی۔ سطوت آرا نے یہ خبر پوتیوں سے چھپائی تھی مبادا ان کے دل ٹوٹ جائیں۔ بچیاں اتنی نادان نہ تھیں انہیں اس شادی کی سن گن مل گئی تھی۔ رافع اس برس معمول کے مطابق پاکستان نہ آئے پھر ایک دن عرشیہ نے ہی ان سے فون پر کہہ دیا تھا۔

"آپ کی دوسری شادی پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں پاپا۔ چاہیں تو آپ اپنی بیگم کو بھی ساتھ لے آئیں لیکن پلیز پاکستان کا چکر تو لگالیں۔ ہم آپ کو بہت مس کررہے ہیں۔" رافع شرمندہ سے انداز میں بیٹی کو وضاحت دینے لگے تھے اور پھر چند دنوں بعد وہ بیٹیوں سے ملنے آگئے تھے' لیکن نئی بیوی ان کے ہمراہ نہ تھی اور آئندہ آنے والے برسوں میں بھی ان کا یہ معمول برقرار رہا۔ وہ بیوی کو دبئی ہی چھوڑ آتے اور ایک مہینہ پاکستان میں قیام کے بعد واپس دبئی سدھار جاتے۔ اس بار جانے ان کے دل میں کیا سمائی کہ وہ مریم کو بھی اپنے ہمراہ پاکستان لے آئے۔ سطوت آرا نے بہو کا پرتپاک استقبال کیا۔ گاؤں سے کشور بیگم اور عبدالواسع بھی بھائی' بھاوج کا استقبال کرنے پہنچ گئے تھے۔ لڑکیاں مریم سے ملنے سے پہلے ڈبل مائنڈڈ تھیں کہ آیا ان کا استقبال کیا جائے یا انہیں ٹف ٹائم دیا جائے لیکن مریم سے ملنے کے بعد وہ پرسکون ہوگئی تھیں۔ چالیس سالہ مریم جو دیکھنے میں اپنی عمر سے چند برس چھوٹی ہی لگتی تھیں بہت دوستانہ مزاج کی حامل خاتون ثابت ہوئیں اور "تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے" والے فارمولے پر عمل کرتے ہوئے وہ اپنے ہمراہ تحفوں کا انبار لائی تھیں جس پر خلوص انداز میں یہ تحفے سب کو پیش کیے گئے اس انداز نے سب کا دل ہی موہ لیا۔

"مریم آنٹی کتنی اچھی ہیں نا کاش وہ پاپا کو پہلی شادی سے پہلے مل جاتیں تو وہ ہماری مما ہوتیں۔" عرشیہ کو آج کل یہ ہی قلق تھا۔

"مریم چچی اتنی ینگ اور اسمارٹ ہیں کہ انہیں چچی کہتے ہوئے بھی کچھ عجیب سا لگتا ہے' میں تو اس لیے آپ کہہ کر ہی کام چلاتی ہوں۔" یہ فریال تھی جو واقعی مریم کو چچی کہتے ہوئے جھجکتی —— تھی اور اچھا ہی ہوا جو اس نے مریم کو چچی کہنا شروع کیا تھا۔ مریم اور رافع کی دبئی واپسی سے پہلے مریم' فریال کی نند کے رتبے پر فائز ہوچکی تھی۔

عدیل' مریم کا سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ مریم کے بڑے بھائی عمیر تو پہلے ہی رافع کے بزنس پارٹنر تھے۔ سب سے چھوٹا عدیل بھی کاروبار میں بھائی کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ مریم کو چھوٹے لاڈلے بھائی کے لیے فریال پسند آگئی تھی۔ اس نے سطوت آرا کے سامنے خود یہ رشتہ پیش کیا۔ یہ جان کر کہ لڑکا صرف گریجویٹ ہے' سطوت آرا رشتہ قبول کرنے میں کچھ متذبذب نظر آئیں۔ ادھر فریال کا خوشی سے برا حال تھا۔ ابھی کچھ دنوں پہلے ہی لڑکیوں نے مریم کے موبائل میں ان کے بھائیوں کی تصویریں دیکھی تھی۔ مریم کا سب سے چھوٹا بھائی سب سے زیادہ ہینڈسم اور اسمارٹ تھا۔ اس وقت فریال کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ چند دنوں بعد اس اسمارٹ سے بندے کا پروپوزل اس کے لیے آجائے گا۔ دبئی تو ویسے ہی اس کے خوابوں کی سرزمین تھی۔ یہ رشتہ اس کے لیے نعمت غیر مترقبہ تھا پھر جانے کیوں بڑی اماں رشتہ قبول کرتے ہوئے اتنا ہچکچا رہی تھیں حالانکہ رافع نے عدیل کے کردار اور عادتوں کے متعلق ہر طرح کی گارنٹی دی تھی۔ ان کے بقول عدیل ایک شریف النفس' محنتی اور سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد بڑی اماں نے فیصلے کی بال عبدالواسع اور کشور سلطانہ کے کورٹ میں ڈال دی تھی۔ انہوں نے سوچنے کے لیے زیادہ ٹائم نہ لیا تھا۔ رافع کی گارنٹی کے بعد سوچنے کی گنجائش بھی کہاں بچتی تھی۔ رافع

اور مریم کی دبئی واپسی سے پہلے ایک سادہ سی تقریب میں فریال کی انگلی میں عدیل کے نام کی انگوٹھی سج گئی تھی۔ فریال کی خوشی چھپائے نہ چھپ رہی تھی۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ اب پڑھائی کے جھنجھٹ سے اس کی جان چھوٹنے والی تھی۔ مریم وغیرہ اپنے بھائی کی جلد شادی کے خواہشمند تھے لیکن اس بار سطوت آرا نے دوٹوک انداز میں انہیں جتادیا کہ چھ سات ماہ سے پہلے وہ شادی کا نام بھی نہ لیں۔

"جب تک فریال کا بی اے مکمل نہیں ہوجاتا۔ میں اس کی شادی نہیں کروں گی۔" ان کے قطعی انداز پر فریال بھونچکی رہ گئی تھی۔

"لیکن فریال کے پیپرز تو اگلے ماہ ہورہے ہیں بڑی اماں۔" فریال کی بے چاری سی شکل دیکھ کر عرشیہ فریال کی مدد کو آئی تھی۔

"تمہارا کیا خیال ہے پہلی اٹیمپٹ میں فریال کا بی اے کلیئر ہوجائے گا۔" بڑی اماں طنزیہ انداز میں مخاطب ہوئیں۔

"فریال کا جو حال ہے، میرا تو خیال ہے وہ سپلی بھی کلیئر نہیں کرپائے گی۔ اس صورت میں ہم لوگوں کو زیادہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میری مانیں تو مریم آنٹی وغیرہ کی خواہش کے مطابق جلد شادی کی کوئی تاریخ رکھ دیں۔" مدبر بنی عرشیہ نے بڑی اماں کو مفت مشورے سے نوازا تھا۔ بڑی اماں نے اسے جواب تک دینے کی زحمت گوارا نہ کی محض گھورنے پر اکتفا کیا تھا۔ عرشیہ شرمندہ سی ہوکر واپس پلٹ گئی۔

اور سسرالیوں کے سامنے متوقع بے عزتی کا خوف تھا یا بڑی اماں کے اندازے غلط ثابت کرنے کی دھن فریال کے سر پر سوار ہوگئی تھی اس نے پیپرز کی تیاری میں دن رات ایک کردیے تھے اور پہلی دفعہ میں ہی انگلش سمیت سارے سبجیکٹ کلیئر ہوگئے تھے یہ ایک معجزاتی کامیابی تھی۔ سب مسرور اور شاداں تھے اور پھر فریال کی شادی کی تیاریوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہ چلا۔ رشتہ طے ہوتے وقت فریال کی بتیسی اندر جانے کا نام نہیں لے رہی تھی اور اب اس کی آنکھیں کسی پل خشک ہونے کا نام نہ لیتیں۔ چاروں سکھیاں ایک دوسرے سے مل کر خوب ہی نیر بہاتیں۔ بڑی اماں کبھی پوتیوں کو سینے سے چمٹائے ان کے آنسو پونچھتیں تو کبھی کشور بیگم تو تسلی دیتے دیتے خود بھی آبدیدہ ہوجاتیں۔ آخر گلابی جاڑوں کی ایک شام فریال عدیل کے سنگ رخصت ہوگئی تھی۔

"سسرال میں کسی سے دبنے کی ضرورت نہیں ہے فری۔ یہ یاد رکھنا کہ تمہارے نندوئی تمہارے سگے چاچو ہیں، کسی نے بھی تنگ کیا تو جھٹ پٹا سے شکایت لگادینا۔" عرشیہ آخری وقت تک فریال کو نادر مشوروں سے نوازتی رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

فریال رخصت ہوکر چکوال گئی تھی۔ وہاں عدیل اور مریم کا آبائی گھر تھا۔ ساری فیملی اگرچہ دبئی میں مقیم تھی لیکن پاکستان میں مقیم اپنے رشتہ داروں کے لیے انہوں نے ایک ریسپشن یہیں دیا جبکہ ولیمہ کی باضابطہ تقریب دبئی جاکر منعقد کی گئی۔ فریال کے جانے کے بعد بہت دنوں تک ذہین ہاؤس پر اداسی کا راج رہا لیکن آہستہ آہستہ سب پھر سے اپنی زندگیوں میں مگن ہوگئے۔ جیا اور منال فورتھ ایئر میں تھیں اور عرشیہ تھرڈ ایئر میں۔ جیا کو امید تھی کہ وہ بھی بہن کی طرح پہلی کوشش میں ہی بی اے کلیئر کرلے گی۔ منال اپنے بارے میں زیادہ پرامید نہ تھی پھر بھی دادی کی نظر میں سرخرو ہونے کے لیے جان توڑ محنت کررہی تھی۔ عرشیہ اب بھی پڑھائی کے معاملے میں کوئی سنجیدگی دکھانے کو تیار نہ تھی اور پھر فریال کی طرح عرشیہ کی بھی اچانک اور فوری شادی ہوگئی۔ عبدالواسع ہائپر ٹینشن کے مریض تھے۔ پچھلے کچھ برسوں سے ہارٹ پرابلم بھی ہورہی تھی انہیں اپنی زندگی سے متعلق جانے کیا دھڑکا لگ گیا کہ انہوں نے ماں سے تابش اور عرشیہ کی جلد از جلد شادی کی فرمائش کردی۔

"میں جانتا ہوں اماں کہ ابھی عرشیہ کچھ کم عمر ہے لیکن میری خواہش ہے عرشیہ اور تابش جلد از جلد

شادی کے بندھن میں بندھ جائیں ہو سکتا ہے اللہ مجھے پوتا' پوتی کھلانے کی مہلت دے ہی دے۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو واسع۔ اللہ صحت و تندرستی کے ساتھ بھرپور زندگی دے' آپنے سب بچوں کی خوشیاں دیکھو۔ بیٹا جانے کی عمر تو اب میری ہے اور سچ پوچھو تو میں خود بہت دنوں سے تابش کی شادی کے متعلق ہی سوچ رہی ہوں۔ عرشیہ کا پڑھائی میں تو دماغ چلتا نہیں پھر تابش کو کس لیے عرشیہ کی پڑھائی ختم ہونے کا انتظار کروایا جائے۔ شادی کے لحاظ سے تابش کی تو مناسب ترین عمر ہے۔ عرشیہ پر بھی ذمہ داری پڑے گی تو آپ عقل اور سمجھ آجائے گی۔" سطوت آرا نے بیٹے کی تجویز کی تائید کردی۔ عبدالرافع سے بات کرکے شادی کی تاریخ رکھ دی گئی۔ رافع' مریم اور فریال شادی سے پندرہ دن پہلے پاکستان پہنچ گئے تھے۔ عدیل نے عین وقت پر پہنچنا تھا۔

☼ ☼ ☼

عرشیہ اور تابش کی شادی پر ذہین ہاؤس میں رونق کا الگ ہی سماں تھا۔ تابش کے ننھیالی رشتہ دار شادی کی رونق بڑھانے آن پہنچے تھے۔ نانا ماموں بھی اپنی بہو کے ہمراہ شادی سے ٹھیک دو دن پہلے پہنچ گئے تھے۔ عرشیہ نے چونکہ رخصت ہو کر سسرال نہیں جانا تھا سو وہ بڑی مطمئن قسم کی دلہن تھی اس کا بس چلتا تو وہ اپنے مایوں' مہندی میں خود لڈی ڈال لیتی لیکن بڑی اماں کی خشمگیں نگاہوں کے خوف سے اسے شرمیلی سی دلہن بننے کی ایکٹنگ کرنا پڑ رہی تھی۔ تابش سے اس کی جتنی بے تکلفی اور دوستی تھی اس سے شرمانے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ کم از کم رخصتی سے پہلے تک عرشیہ کا یہ ہی خیال تھا۔ لیکن ولیمہ کی تقریب میں وہ شرم سے دہری ہوئے جارہی تھی۔

"دیکھو عرشیہ! اگر کل تک تم شرمانے کی ایکٹنگ کررہی تھیں تو آج اوور ایکٹنگ کررہی ہو اور یہ اوور ایکٹنگ تم پر بھلی نہیں لگ رہی۔" جیا نے "نند" بن کر پہلا وار کر ہی دیا تھا۔

"ہائے اللہ جیا کی بچی! میں ایکٹنگ نہیں کررہی۔ مجھے واقعی بہت شرم آرہی ہے۔" عرشیہ نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"شرم مگر کس سے؟" جیا جرح کے موڈ میں تھی۔ عرشیہ نے نگاہیں اٹھا کر سامنے دیکھا۔ بے حد وجیہہ تابش مہمانوں کو ریسیو کررہا تھا اور اسی لمحے تابش کی نگاہ عرشیہ پر پڑی تھی۔ وہ بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔ عرشیہ نے سٹ پٹا کر پھر گردن جھکالی۔ اسٹیج پر دلہن کے دائیں' بائیں بیٹھی فریال اور جیا نے بھائی اور بھابھی کی نگاہوں کا تصادم با آسانی تاڑ لیا تھا۔

"بے تکلف اور بے ضرر سا دوست محبت کرنے والے شوہر کا روپ دھار چکا ہے جیا۔ ہماری بنو کا شرمانا بنتا ہے۔" فریال نے شرارت سے عرشیہ کو چھیڑا۔ جیا بھی عرشیہ پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے مسکرا دی۔ اتنے میں منال بھی اپنی گھیر دار کامدانی فراک اور بڑا سا دوپٹہ سنبھالتی ان لوگوں کے پاس آئی تھی۔

"میں نے تم سے کہا بھی تھا فریال کہ میرا میک اپ کرتے ہوئے ہاتھ ہولا رکھو۔ خود تو کیک پیسٹری بنی ہوئی ہو' مجھے بھی کارٹون بنادیا۔" اس نے آتے ہی فریال پر چڑھائی کردی۔

"بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں۔ بیوٹی کوئین بنادیا تمہیں اور تمہارے نخرے ہی ختم نہیں ہورہے۔" فریال نے جوابی چڑھائی کی۔

"مجھے لگ رہا ہے میں بہت اوور لگ رہی ہوں ہر کوئی مجھے ہی گھور رہا ہے۔ پیچھے ٹیبل پر نانا ماموں کی فیملی بیٹھی ہے۔ وہ لوگ بھی مجھے دیکھ کر مسکرا کر آپس میں کوئی بات کررہے ہیں۔ ظاہر ہے مذاق ہی اڑا رہے ہوں گے۔" منال کی بدگمانی عروج پر تھی۔ جیا' فریال اور عرشیہ نے معنی خیز نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ نانا ماموں تو چاروں بچیوں پر بے تحاشا شفقت لٹاتے تھے۔ اس بار ان کی بہو بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ مومنہ آنٹی ہر وقت منال کو اپنی نگاہوں کے حصار میں رکھتیں۔ لیکن یہ نگاہیں جانچتی' پرکھتی نگاہیں نہ تھیں بلکہ بہت میٹھی میٹھی' واری صدقے جانے والی نگاہیں

تھیں اور ابتہاج جو بارات والے روز علی الصبح پہنچا تھا وہ بھی کئی بار مناہل کو کن انکھیوں سے تاڑتا ہوا پایا گیا اور یہ بونگی مناہل سمجھ رہی تھی کہ سب مل کر اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ فریال اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہ رہی تھی لیکن پھر یہ سوچ کر رک گئی کہ ایسی ویسی کوئی بات سن کر مناہل بی بی کی بوکھلاہٹ خوامخواہ میں بڑھ جائے گی۔

"اچھا اب تم اپنے میک اپ کی فکر چھوڑو اور جلدی جلدی میری اور جیا کی عرشیہ کے ساتھ کچھ تصویریں بنالو۔ عدیل سامنے بیٹھے کب سے میرا انتظار کررہے ہیں پھر مجھے ان کے ساتھ جاکر یادگار سی سیلفی بنوانی ہے۔" فریال نے مناہل کا دھیان بٹاتے ہوئے کہا۔ بڑی اماں شادی بیاہ کے موقع پر میووی میکر اور پروفیشنل فوٹوگرافر بلانے کی سخت مخالف تھیں اس لیے لڑکیوں کو سیل فون اور ڈیجیٹل کیمرے سے خود ہی فوٹوگرافی کرنا پڑرہی تھی۔ مناہل کو چونکہ خود تصویریں کھنچوانے کا زیادہ شوق نہ تھا سو فوٹوگرافی کی زیادہ تر ذمہ داری اسی نے سنبھال رکھی تھی۔ اب بھی وہ مستعدی سے اپنی ڈیوٹی نبانے لگی۔ اسے علم ہی نہ ہوا کہ وہ خود کسی اور کی نگاہوں کے فوکس میں ہے۔ کوئی تھا جو اسے بہت فرصت سے تک رہا تھا۔

"برخوردار! بے خودی کا عالم اپنی جگہ لیکن آداب محفل کو بھی ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔" اس شخص کو اس کے دادا نے مسکراتے ہوئے نصیحت کی تو وہ بھی خجل سا ہو کر مسکرانے لگا تھا۔ شادی بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچی تو دبئی سے آنے والوں نے بھی واپسی کے لیے رخت سفر باندھا۔ نانا ماموں کی بہو ابتہاج کے ہمراہ لوٹ گئی تھیں لیکن نانا ماموں ابھی ذہین ہاؤس رکے ہوئے تھے۔ انہوں نے رافع کی روانگی سے پہلے مناہل کے لیے ابتہاج کا رشتہ پیش کردیا۔ رافع کچھ حیران ہوئے تھے لیکن پھر ماں کے چہرے پر نگاہ پڑی۔ سطوت آرا کے چہرے پر بڑی مطمئن اور آسودہ سی مسکراہٹ پھیلی تھی یعنی وہ بھائی کی خواہش سے لاعلم نہ تھیں ایک لمحے کو رافع ماں سے شاکی ہوا کم از کم انہیں رافع کو پہلے اعتماد میں لینا چاہیے تھا تاکہ وہ کوئی ممکنہ خواب سوچ سکتے۔ قابل احترام ماموں کو نہ تو منہ پھاڑ کر انکار کرسکتے تھے نہ سوچنے کی مہلت طلب کرنا بھلا معلوم ہورہا تھا لیکن پھر بھی وہ اس رشتے کو فی الفور منظور کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار تھے۔

"کس سوچ میں پڑگئے بھانجے۔ میرا ابتہاج تمہارا دیکھا بھالا ہے۔ پڑھا لکھا، قابل، برسرروزگار، اس کے کردار کے متعلق بھی میں ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں، تمہارے چہرے پر چھایا تذبذب میری سمجھ سے باہر ہے۔" نانا ماموں حیرانی سے گویا ہوئے۔ رافع نے گہری سانس اندر کھینچی تھی۔

"آپ کی سب باتیں بجا ماموں جان۔ ابتہاج واقعی بہت اچھا لڑکا ہے۔ جو شخص بھی اسے اپنی فرزندی میں قبول کرے گا وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت تصور کرے گا اور اسے۔"

"جو بھی شخص کیوں۔ تم کیوں نہیں؟" نانا ماموں نے سرعت سے ان کی بات کاٹی۔

"میری زندگی کا کوئی گوشہ آپ سے ڈھکا چھپا نہیں ماموں جان۔ نغمانہ اور میری شادی شدہ زندگی اسی لیے ناکامی سے دوچار ہوئی کہ میرا اور اس کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ وہ بہت قابل اور تعلیم یافتہ عورت تھی میں واجبی سا پڑھا لکھا کاروباری بندہ ہماری ذہنی ہم آہنگی ممکن ہی نہ ہوپائی۔ میں اپنے تلخ تجربے سے بہت خوفزدہ ہوں ماموں! اور اپنی اولاد کے ساتھ ایسا کوئی تجربہ نہیں ہونے دینا چاہتا۔ ابتہاج ماشاء اللہ بہت پڑھا لکھا اور قابل بچہ ہے۔ اتنی چھوٹی عمر میں اس نے کتنی ڈگریاں اکٹھی کرلی ہیں۔ میری مناہل تو بہت سیدھی سادی بچی ہے۔ وہ زندگی کی شاہراہ پر ابتہاج جیسے شاندار شخص کے ساتھ قدم ملا کر کیسے چل پائے گی۔" رافع نے سیدھے سبھاؤ اپنے خدشات کا اظہار کردیا تھا۔ نانا ماموں نے بھرپور سنجیدگی سے ان کی بات سنی تھی۔

"جس طرح تمہاری زندگی کا کوئی گوشہ مجھ سے پوشیدہ نہیں بھانجے اسی طرح تم بھی میری زندگی کے حالات سے بخوبی واقف ہو۔ برسوں پہلے میں نے اپنے

ہاتھوں سے اپنے اکلوتے بیٹے کو لحد میں اتارا تھا اس کے بعد اس کی چھوڑی نشانیوں کو دیکھ کر جیا ہوں۔

جب شہزاد کا انتقال ہوا تو وہاج چھ برس کا اور ابتہاج محض تین برس کا تھا۔ میں نے اپنے پوتوں کو دادا بن کر نہیں باپ بن کر پالا ہے اس لیے میں پورے اعتماد اور یقین سے تمہیں ابتہاج کے متعلق ہر قسم کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔ اس کی بھاری بھرکم ڈگریوں کی وجہ سے تم اس کا موازنہ اپنی سابقہ بیوی سے مت کرو۔ میرا پوتا خود سے وابستہ رشتوں کو محبت اور خلوص سے نبھانا جانتا ہے۔ میں شاید وہاج کے معاملے میں اتنے یقین سے بات نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مختلف مزاج کا لڑکا ہے اس نے شادی بھی اپنی پسند سے کی لیکن ابتہاج نے پوری دلی آمادگی کے ساتھ اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا اختیار مجھے اور اپنی ماں کو سونپ رکھا ہے اور مجھے اپنے پوتے کے لیے مناہل سے بڑھ کر پیاری بچی اور کوئی نہ ملے گی۔ مومنہ کو بھی مناہل بہت پسند آئی ہے اگر تم اپنے تحفظات بالائے طاق رکھتے ہوئے اس رشتے کے لیے ہاں کردو گے تو ہم تمہارے بہت شکر گزار ہوں گے ورنہ ظاہر ہے مناہل کے باپ ہونے کی حیثیت سے تم ہر فیصلہ کرنے کے مجاز ہو اور ہمیں تمہارا فیصلہ تسلیم کرنا پڑے گا۔"

"ماموں جان! اب آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔" ان کی طویل بات کے اختتام پر رافع یہی کہہ پائے تھے۔ قابل احترام ماموں کے سامنے وہ واقعی بہت خفت محسوس کر رہے تھے۔

"مناہل آج سے آپ کی ہوئی۔ شادی بیاہ کے متعلق باقی تمام تفصیلات طے کرنے کی مجاز اماں جان ہیں۔" رافع نے ماں کو دیکھا۔ وہ بھائی کو دیکھ کر مسکرا دیں' خوشی جن کے چہرے سے چھلک رہی تھی۔

"بھئی جہانگیر' کم از کم تمہیں مناہل کے گریجویشن مکمل ہونے تک انتظار کرنا پڑے گا۔ پھر ابھی ہم نے یکے بعد دیگرے دو شادیاں بھگتائی ہیں۔ کچھ مہلت ملنی چاہیے۔ اگر تم پہلے عندیہ دے دیتے تو شاید ہم عرشیہ کے ساتھ ہی مناہل کے فرض سے بھی سبک دوش ہو جاتے۔" سلوت آرا نے بھائی کو رسانیت سے مخاطب کیا۔

"کوئی مسئلہ نہیں ہے آپا ہم انتظار کرلیں گے۔" نانا ماموں بشاشت سے مسکرائے تھے پھر دوبارہ رافع پر نگاہ ڈالی۔

"رافع میاں اب ذہن پر کسی قسم کا بار ہرگز نہ ڈالنا۔ بتانا مناسب تو نہیں مگر محض تمہاری تسلی کے لیے بتا رہے ہیں کہ ہمیں تو اپنی چاروں پوتیاں ہی بہت پیاری تھیں اور ہم ابتہاج کو اپنے ہمراہ اسی لیے لائے تھے کہ وہ عرشیہ کے علاوہ جس بچی کو پسند کرے ہمیں بتادے اور اس نے خود ہمارے سامنے مناہل کا نام لیا۔ مناہل اور ابتہاج کا بندھن ان چاہا نہیں بلکہ من چاہا ہوگا۔ ان شاء اللہ۔" نانا ماموں نے ایک بار پھر رافع کو یقین دلایا۔ رافع کے چہرے پر مطمئن سی آسودہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے ماموں کی بات سن کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

عرشیہ اور جیا نے مناہل کو چھیڑ چھیڑ کر اس کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ وہ ان کی چھیڑ چھاڑ کے جواب میں فقط "بکواس نہ کرو۔" کہہ پائی تھی۔ جبکہ شرم کے مارے اس کا چہرہ گلابی پڑ جاتا تھا۔

"اچھا بس میری بیٹی کو زیادہ تنگ مت کرو۔" شفیق سی تائی جان قریب ہوتیں تو مناہل کی مدد کو آتیں۔ کشور سلطانہ اور عبدالواسع کا زیادہ تر وقت اب شہر میں گزرتا۔

"ہمارا جی اب بچوں میں ہی لگتا ہے اماں۔ اپنے بیٹے کو سمجھائیں کہ بہت ہو گئی زمینداری اب کسی بھروسے کے بندے کو زمینوں کا انتظام سونپ کر یہیں اپنے بچوں میں رہیں۔" کشور سلطانہ نے ساس کو مخاطب کیا۔

"دیکھ رہی ہیں اماں اپنی بہو بیگم کو۔ انہوں نے تو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اپنے بچوں کے ساتھ ہی گزارا ہے۔ اب بڑھاپے میں کچھ دن شوہر کے پاس رہ کر اس

کی خدمت کرنی پڑ گئی تو جان چھڑانا چاہ رہی ہیں۔" عبدالواسع شرارتی انداز میں بیوی کو چھیڑتے۔

"ویسے سچ کہوں تایا ابو تائی جان کی ہمت ہے کہ اتنی زندگی انہوں نے آپ سے دور رہ کر گزاری۔ تابش تو دس پندرہ دن کے لیے کسی ٹورنامنٹ میں شرکت کے لیے شہر سے باہر جاتے ہیں تو مجھے تو وہ دس دن بھی دس مہینوں کے برابر لگتے ہیں۔" ساس سسر کے سامنے بے تکلفی سے حال دل کہنے والی یہ ان کی چہیتی عرشیہ تھی۔ عبدالواسع اور کشور تو مسکرا دیے البتہ سطوت آرا کو خوب تاؤ چڑھا تھا اور عرشیہ نے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھے تو ان کے کچھ بولنے سے پیشتر ہی وہاں سے رفو چکر ہونے میں عافیت جانی۔

☼ ☼ ☼

مناہل کی سالگرہ تھی۔ یہ چاروں سہیلیاں ایک دوسرے کی سالگرہ بہت دھوم دھام سے مناتی تھیں۔ فریال کے بغیر سالگرہ منانے کا مناہل کا ہرگز جی نہ کر رہا تھا پھر سکائپ کے ذریعے فریال بھی ان لوگوں کی محفل میں شریک ہوئی تو مناہل نے کیک کاٹا تھا۔

"سچ سچ بتاؤ مناہل۔ ابتہاج بھائی نے وش کیا یا نہیں۔" فریال شرارتی انداز میں پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میری ڈیٹ آف برتھ کا کیا پتا۔" ابتہاج کا نام سنتے ہی مناہل کے گال گلابی ہو جاتے تھے۔

"پتا ہونا چاہیے تھا نا۔ میری شادی سے پہلے جب میری سالگرہ آئی تھی تو یاد ہے نا' عدیل نے کتنا چھپ چھپا کر مجھے گفٹ بھجوایا تھا اور وش بھی کیا تھا۔ ابتہاج بھائی تو یہیں پاکستان میں بستے ہیں۔ انہیں تمہیں گفٹ بھی بھجوانا چاہیے تھا اور وش بھی کرنا چاہیے تھا میں تو کہتی ہوں تم خود انہیں فون کر کے شکوہ کرو۔" فریال نے مفت مشورے سے نوازا تھا۔

"تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ ان معصوم لوگوں کا کوئی ٹیلی فونک رابطہ نہیں ہے پھر بھی ایسے نادر مشوروں سے نواز رہی ہو۔ یہ محترمہ ابتہاج بھائی کا نام سے لال گلابی ہو جاتی ہیں اگر بات کرنی پڑ گئی تو مارے شرم کے فوت ہی ہو جائیں گی۔" جیا نے ہنستے ہوئے بہن کو مخاطب کیا۔

"ہائے اللہ مناہل! تم کسی دور میں جیتی ہو۔ سچ بہت خوش قسمت ہیں ابتہاج بھائی جو انہیں تم جیسی شرمیلی، معصوم، سادہ دل اور پیاری سی بیوی ملے گی۔" ہزاروں میل دور بیٹھی فریال کو مناہل کا شرم سے گلابی پڑتا چہرہ دیکھ کر خوب ہی پیار آیا تھا۔

"بالکل یہی بات تمہارا بھائی میرے متعلق بھی کہتا ہے۔" عرشیہ نے شرماتے ہوئے اسے آگاہ کیا۔

"بے چارہ میرا بھائی۔ اچھا خاصا عقل مند سمجھ دار بندہ تھا مگر تم جیسی کم عقل کی صحبت میں رہ کر عقل سے پیدل ہوتا جا رہا ہے۔" جیا نے ٹھنڈی آہ بھری تھی۔

"دیکھ رہی ہیں تائی جان۔ یہ جیا کی بچی آپ کے بیٹے کے ساتھ ساتھ بہو کی بھی بے عزتی کر رہی ہے۔" اسی لمحے کشور سلطانہ کا وہاں سے گزر ہوا تھا تو عرشیہ نے ان سے جھٹ شکایت لگا دی۔ وہ کشور کی ہمیشہ سے بہت لاڈلی تھی اور شادی کے کچھ عرصے بعد ہی اس نے انہیں جو "خوش خبری" سنا دی تھی تو وہ لاڈلی ترین بن گئی تھی بلکہ وہ اس معاملے میں فریال سے خفا تھیں جو "ابھی تو ہمارے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔" کہہ کر بچے کی ذمہ داری سے جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔ اب بھی فریال کو دیکھ کر کشور سلطانہ کو یہ ہی خیال آیا تھا۔

"بس بہت ہو گیا انجوائے فری۔ میں تجھے آخری بار کہہ رہی ہوں کہ سیدھے طریقے سے مجھے "خوش خبری" سنا دے ورنہ میں خود عدیل سے بات کروں گی۔" انہوں نے اسے دھمکایا۔ فریال نے اس بار بھی بات ہنسی مذاق میں اڑا دی۔ ماں کی دھمکی دینے کا یہ انداز نیا نہ تھا۔ بچپن سے ہی وہ کشور سلطانہ کے اس اسٹائل سے آگاہ تھی۔

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہی ہوں۔" کہتے ہوئے وہ انتہائی سخت لب و لہجے میں کوئی وارننگ دیتیں لیکن کبھی اس وارننگ پر عمل درآمد کی نوبت نہ

آتی۔ ان کا وجود محبتوں اور شفقت سے گندھا تھا۔ اولاد پر غصہ کرنے کی ایکٹنگ تو کر سکتی تھیں، کبھی بھی غصہ نہ کر سکتی تھیں اور فریال کے کبھی وہم و گمان میں تھا کہ ماں کی یہ آخری وارننگ واقعی "آخری" ثابت ہوگی۔ چار دن بعد شہر سے گاؤں جاتے ہوئے گاڑی کی ٹرالر کے ساتھ ٹکر کے نتیجے میں عبدالواسع اور کشور سلطانہ جان کی بازی ہار بیٹھے۔ کوئی قیامت سی قیامت تھی جو "ذہین ہاؤس" پر ٹوٹ پڑی تھی۔ عبدالواسع نے دل کی بیماری کو بنیاد بناتے ہوئے عرشیہ اور تابش کی شادی کی جو جلدی مچائی تھی وہ وہم بے بنیاد نہ تھا بس بچھڑنے کا بہانہ کچھ اور بن گیا تھا۔ شدت غم سے ذہین ہاؤس کے مکینوں کے حواس سلب ہوگئے۔ دبئی سے آنے والوں کو بروقت فلائٹ نہ مل سکی تھی۔ وہ تدفین کے بعد پہنچ پائے تھے۔ فریال کو غش پر غش آرہے تھے۔ اسے ماں باپ کی حادثاتی موت سے بے خبر رکھا گیا تھا۔ بس یہ بتایا گیا تھا کہ انہیں ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں چوٹیں آئی ہیں اور وہ اسپتال میں ایڈمٹ ہیں۔

ذہین ہاؤس کے لان میں بچھی دریاں دیکھ کر فریال حقیقت پا گئی تھی اور پھر وہ تابش کی بانہوں میں جھول گئی۔ کوئی کسی کو تسلی دیتا بھی تو کیسے، غم مشترک تھا اور بہت بڑا بھی۔

"بیٹیوں کو اتنی دور نہیں بیاہنا چاہیے کہ وہ ماں باپ کے چہرے بھی نہ دیکھ سکیں۔" وہ ہوش میں آتی اور پھر ہوش و حواس سے بے گانہ ہو جاتی۔ جیا خالی خالی نگاہوں سے بہن کو دیکھتی۔ کاش وہ بھی فریال کی طرح ہوش و حواس کھو بیٹھتی، کم از کم کچھ دیر کے لیے سہی اس بھیانک حقیقت سے فرار تو ممکن ہوتا۔ عرشیہ اور مناہل کا حال بھی کچھ مختلف نہ تھا۔ عبدالواسع شفیق ترین تایا تھے اور کشور سلطانہ کہنے کو تائی تھیں لیکن انہوں نے دونوں کو ماں بن کر ہی پالا تھا اور وہ دونوں انہیں ماں جیسا درجہ ہی دیتی تھیں۔ مناہل کا ذہن ان کی حادثاتی موت کا صدمہ سہار نہ پا رہا تھا وہ مسلسل ٹرانکولائزر کے زیر اثر تھی اور عرشیہ جو خود ماں بننے جا رہی تھی اور اس کی ماں اس مرحلے پر قدم قدم اس کی رہنمائی کر رہی تھی، وہ یہ خوشی دیکھے بغیر منوں مٹی کی چادر اوڑھ کر سو جائے گی، یہ کیسے ممکن تھا۔ عرشیہ بلک بلک کر روتی تو تابش کو اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔ ماں باپ کی جدائی کا صدمہ سہنا اس کے لیے بھی ناقابل برداشت تھا لیکن وہ "مرد" تھا سو اسے ضبط اور برداشت کا مظاہرہ کرنا تھا اور وہ کر رہا تھا۔

سب کو اپنا دکھ عظیم ترین لگ رہا تھا لیکن اس بوڑھی ماں کے دکھ کی شدت کا اندازہ لگانا کسی کے لیے ممکن ہی نہ تھا جس کا بیٹا اس کے جنازے کو کندھا دینے کے لیے دنیا میں موجود نہ رہا تھا۔ عبدالواسع، ان کا پہلوٹھی کا بیٹا، کل کی بات لگتی تھی جب اس نے ان کی گود میں آنکھیں کھولی تھیں اور آج اس نے ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لیں۔ وہ ان کا کتنا فرمانبردار اور ذمہ دار بیٹا تھا۔ باپ کے مرنے کے بعد کتنی چھوٹی عمر میں اس نے گھر کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ اس نے زندگی میں کبھی، کسی مرحلے پر ماں کی حکم عدولی نہ کی تھی، ہاں بس شادی کے معاملے پر ماں کی خواہش کے برعکس فیصلہ کیا تھا (اور آنے والے برسوں میں ثابت ہو گیا کہ یہ فیصلہ صائب ترین فیصلہ تھا) لیکن ماں کا خیال کرتے ہوئے اس نے بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کے بجائے شہر میں ماں کے پاس ہی رکھا۔

"گاؤں میں رہ کر بچوں کی خاک تعلیم و تربیت ہو پائے گی، بچے شہر میں میرے پاس رہیں گے۔" یہ سطوت آرا کا فیصلہ تھا۔ فرماں بردار بیٹے، بہو نے خوش دلی سے فیصلے کو قبول کیا۔ ان کی جوانی کے سنہری سال اسی طرح گزرے۔ پندرہ بیس دن بعد عبدالواسع شہر میں بیوی بچوں کے پاس آتے پھر واپسی کی راہ پکڑتے اور جن بچوں کی تعلیم کی خاطر شہر میں رہائش رکھنے کا فیصلہ ہوا تھا ان میں سے کوئی بچہ تعلیمی میدان میں کوئی کارکردگی دکھا ہی نہ پایا۔ گاؤں میں بسنے والی کشور سلطانہ کی اپنی بھانجیاں، بھتیجیاں ماسٹر کر گئی تھیں تو اگر وہ عبدالواسع کو بیوی بچوں سمیت گاؤں میں رہنے دیتیں تو کیا حرج تھا بھلا۔ بچوں نے شہر میں رہ کر کون سا

تیر مار لیا تھا لیکن ہاں عرشیہ اور مناہل بھی تو تھیں جنہیں پالنے پوسنے کی ذمہ داری کشور سلطانہ نے ہی اٹھائی تھی۔ نعمانہ کے ہوتے ہوئے بھی بچیاں تائی سے زیادہ قریب تھیں اور نعمانہ کے بعد تو کشور سلطانہ ہی بچیوں کی ماں بن گئی تھیں' یہ ذمہ داری انہوں نے پورے دل سے نبھائی اور بچوں کے بڑا ہونے کے بعد عبدالواسع کی طبیعت خرابی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے کشور سلطانہ کو ان کے ساتھ گاؤں رہنے کا حکم دیا تو وہ یہ حکم بھی فوراً" بجالائیں۔

عبدالواسع اور اس کے بیوی بچوں نے کتنی غیر فطری زندگی گزاری' اس کا احساس سطوت آرا کو اب ہو رہا تھا۔ محض ان کی خواہش اور ان کے فیصلے کا احترام کرتے ہوئے وہ سب ایک دوسرے سے دور دور رہنے پر مجبور ہوئے۔ اگر گھر کی خاطر عبدالواسع کو زمینداری اختیار کرنا پڑ ہی گئی تھی تب بھی اس کے بیوی بچوں کو اس کے ساتھ رہنے کا پورا پورا حق تھا۔ سطوت آرا سوچتیں اور پچھتاوے کا احساس بڑھتا جاتا۔ کلیجہ پھاڑ دینے والا دکھ اپنی جگہ لیکن یہ احساس جرم تھا جو سطوت آرا کو اپنی لپیٹ میں لیے جا رہا تھا اور وہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید بوڑھی' مزید چڑچڑی اور مزید غصیلی ہوتی جا رہی تھیں۔ "ذہین ہاؤس" کے در و دیوار سے لپٹی اداسی کسی طور ختم نہ ہونے پا رہی تھی لیکن کسی بہت اپنے کے بچھڑنے پر بھی کاروبار زندگی کبھی رکتا ہے بھلا۔ دھیرے دھیرے زندگی کی گاڑی آگے سرکنا شروع ہو گئی تھی۔ فریال' عدیل کے ہمراہ کچھ روز پہلے ہی واپس چلی گئی تھی اور اب رافع اور مریم نے واپسی کے لیے رخت سفر باندھ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"برسوں کا جما جمایا کاروبار میں اچانک وائنڈ اپ نہیں کر سکتا اماں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں کچھ عرصے بعد مستقل پاکستان شفٹ ہو جاؤں گا۔" رافع نے جاتے سے ماں کو یقین دلایا۔

"تم اپنی مرضی کے مالک ہو بیٹا اور اب یہاں پاکستان میں بوڑھی ماں کے جنازے کو کندھا دینے کے سوا تمہاری کوئی ذمہ داری بچی ہی کب ہے' تمہارے حصے کی ساری ذمہ داریاں تمہارا بہشتی بھائی نبھا کر چلا گیا۔ تمہاری بچیاں تمہاری بھاوج نے پالیں۔ بہت چاؤ سے عرشیہ کو اپنی بہو بنایا۔ رہ گئی مناہل تو شکر ہے اس کا رشتہ بھی طے ہو گیا۔ میں بہت جلد اس کی ذمہ داری سے فراغت کا ارادہ رکھتی ہوں پھر اللہ سے یہ ہی دعا ہے کہ میری جیا کا نصیب بھی جلد کھل جائے وہ میری آنکھوں کے سامنے ہی گھر بار کی ہو جائے میری بس یہی تمنا بچی ہے۔" سطوت آرا نے تھکے تھکے لہجے میں بیٹے کو مخاطب کیا۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی رافع کو شرمندہ کر چکی تھیں لیکن سچ یہی تھا کہ انہیں رافع پر غصہ تھا۔ دنیا میں سیکڑوں ہزاروں لوگوں کی شادیاں ٹوٹتی ہیں لیکن ہر کوئی رافع کی طرح دنیا سے منہ چھپا کر بھاگ نہیں جاتا۔ اک عمر گزار کر بھی اس نے دوسری شادی کی ہی تھی نا' تو وہ یہ شادی یہیں پاکستان میں مناسب وقت پر کر لیتا اور اپنی بچیوں کو خود پالتا پوستا۔ عبدالواسع اور کشور سلطانہ اپنے بچوں کے ساتھ اپنی مرضی کی زندگی جیتے۔ مناہل اور عرشیہ کا خیال نہ ہوتا تو شاید سطوت آرا کشور کو اپنے ساتھ شہر رکھنے پر اصرار ہی نہ کرتیں۔ اس نوعیت کی سوچوں نے سطوت آرا کے اعصاب پر قبضہ جما لیا تھا۔ وہ پہروں سوچے جاتیں اور کڑھتی رہتی تھیں اور جب اعصابی بوجھ بالکل ناقابل برداشت ہو جاتا تو ذہین ہاؤس کا کوئی بھی مکین ان کے بلاوجہ کے عتاب کی زد میں آجاتا۔

اس روز بھی مناہل لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ اس نے یونہی ورق گردانی کے لیے اخبار اٹھا لیا۔ پچھلے صفحے پر ایک ٹریفک حادثے کی چھوٹی سی خبر پڑھ کر اس کا دل پھر سے لہولہو ہو گیا۔ تائی جان اور تایا ابو کے حادثے کی بھی تو اتنی چھوٹی سی خبر ہی چھپی تھی نا' پڑھنے والے روزانہ اس نوعیت کی کتنی خبریں سرسری طور پر پڑھتے ہیں' کس کو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ چھوٹی سی خبر کسی کی زندگی میں کیسا کہرام بپا کر دیتی ہے۔

"بہت خوب اخبار پڑھنے کا شغل فرمایا جارہا ہے۔" سطوت آرا کی آواز سن کر منابل چونکی تھی۔ اس نے اخبار واپس میز پر رکھ دیا۔

"تھوڑے دنوں بعد سپلیمنٹری پیپرز ہونے والے ہیں اور میں دن کے کسی پہر تمہارے ہاتھ میں کتاب نہیں دیکھتی۔ تمہارے سسرال میں تمہارے سالانہ امتحان میں ناکامی کی میں نے یہ توجیہہ پیش کی تھی کہ تایا' تائی کا غم تازہ' تازہ تھا بچی بالکل پڑھ ہی نہ پائی۔ کم از کم اس بار تو اپنی عزت کی فکر کرلو۔ پتا بھی ہے ابتہاج کتنا پڑھا لکھا اور قابل بچہ ہے۔ اسے رشتوں کی کوئی کمی نہ تھی' صرف اپنے بوڑھے دادا کی خواہش کے احترام میں وہ تم سے شادی پر راضی ہوا ہے۔ اگر اس کی بیوی گریجویشن بھی نہ کرپائی تو ذرا سوچو کیا بیتے گی اس کے دل پر۔" سطوت آرا پوتی کو کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے کچھ "احساس" دلوانا چاہ رہی تھیں۔

شاید فریال کی طرح وہ بھی سسرال کے پریشر میں آکر بی اے پاس کرلے۔ ان کا مطمح نظر یہی تھا' لیکن انہیں اندازہ ہی نہ ہوا کہ الفاظ کے چناؤ میں وہ کتنی سنگین غلطی کر بیٹھی ہیں۔ منابل کو تو اول روز سے ہی اپنا اور ابتہاج کا بندھن بے جوڑ لگتا تھا۔ یہ تو عرشیہ' جیا اور فریال تھیں جنہوں نے نہ صرف ابتہاج کی آنکھوں میں منابل کے لیے محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر دیکھا تھا بلکہ منابل کو یہ باور بھی کروایا تھا کہ یہ رشتہ سراسر ابتہاج کی پسند پر طے ہوا ہے۔ سہیلیوں کی بات سن کر منابل کے خدشات سے دھڑکتے دل کو قرار آیا اور اس نے اپنی پلکوں پر سنہری سپنے سجالیے۔ پھر بھی کبھی کبھار اپنے ماں باپ کی ازدواجی زندگی کی ناکامی کے متعلق سوچتی تو دل میں پھر سے بے نام سے وسوسے سر اٹھانے لگتے۔ وہ ابتہاج کے مقابلے میں کتنی عام اور معمولی سی لڑکی تھی پھر جانے ابتہاج کو اس میں کیا بات نظر آئی کہ اس نے اسے اپنا جیون ساتھی بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ حقیقت تو اب بڑی اماں کی زبانی پتا چلی تھی کہ ابتہاج نے محض دادا کی خواہش کے سامنے سر جھکایا تھا۔ فرماں برداری کی بنیاد پر قائم ہونے والا راستہ مستقبل میں کتنا پائیدار ثابت ہوگا' منابل اس بارے میں سوچتی اور دل اندر ہی اندر ڈوبتا چلا جاتا۔ نغمانہ نے جو کچھ اس کے باپ کے ساتھ کیا ابتہاج وہی کہانی اس کے ساتھ نہ دہرادے۔ رافع مرد تھے اس کرائسس سے نکل گئے لیکن منابل کے ساتھ کچھ ایسا ہوا تو وہ کیسے جی پائے گی۔ اس کم عمر اور کم عقل سی لڑکی نے بلاوجہ کے خدشات پال کر اپنے اعصاب تھکالیے تھے۔ گھر میں کسی سے وہ یہ خدشات شیئر بھی نہ کرسکتی تھی۔ عرشیہ کی پریگننسی کی وجہ سے وہ اسے کوئی ٹینشن نہ دینا چاہتی تھی۔ جیا تو ویسے بھی گم صم سی رہتی تھی اور فریال ہزاروں میل دور۔ اس اعصابی ٹینشن کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سپلیمنٹری امتحانات میں مزید برے طریقے سے فیل ہوگئی۔ جیا گزارے لائق نمبروں سے پاس ہوگئی تھی۔

ان ہی دنوں تابش کے ایک دوست کی بیوی اپنے بھائی کے لیے جیا کا رشتہ لے آئی۔ سطوت آرا کو رشتہ معقول لگا تھا۔ وہ منابل کے ساتھ جیا کے فرض سے بھی سبکدوش ہونا چاہ رہی تھیں لیکن جیا نے فوری شادی سے انکار کردیا۔ اس نے مزید پڑھنے کے لیے یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

"بی اے میں کون سا تیر مار لیا جو آگے ایم کرنے کا سوچ رہی ہو۔ بس گھر بیٹھو اور شادی کی تیاری کرو۔" سطوت آرا نے قطعی حکم دیا۔

"تیر' ویر کا تو پتا نہیں بڑی اماں' لیکن میں اپنے ابو کی خواہش پوری کرنا چاہتی ہوں۔ ابو مجھے اکثر کہتے تھے جیا بیٹے! تم "ذہین ہاؤس" کا مختلف بچہ ہو۔ اللہ نے تمہیں عمدہ ذہن دیا پھر اسے پڑھائی میں کیوں نہیں چلاتیں میرا کوئی ایک بچہ تو میری ماں کی خواہش پوری کردے اور تم۔۔۔"

"میں اپنی خواہش سے دستبردار ہوگئی جیا۔ اب تمہیں تمہارے گھر بار کا کرنا ہی میری واحد خواہش ہے۔" سطوت آرا نے پوتی کی بات کاٹی۔

"بات اب آپ کی خواہش کی نہیں ہے بڑی اماں

!یہ میرے ابو کی خواہش تھی کہ میں آپ کی خواہش پوری کروں اور میں ہر صورت اپنے ابو کی خواہش پوری کروں گی۔" جیا نے اٹل لہجے میں کہا۔ سطوت آرا اپنا سر پکڑ کر رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عرشیہ نے بہت پیارے، گل گوتھنے سے بیٹے کو جنم دیا تھا۔ نئے جنم کے بعد "ذہین ہاؤس" کے مکینوں میں بھی زندگی کی نئی لہر دوڑ گئی۔ ننھے منے زاویار نے سب کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی تھی۔

اتنا پیارا سا پوتا پاکر سطوت آرا کی خوشی کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ یہ سچ تھا کہ زاویار کو دیکھ کر کشور اور عبدالواسع مزید شدت سے یاد آئے لیکن زاویار کی موہنی صورت غم بھلانے کا باعث بھی بنتی تھی۔ پھر غصے میں زاویار میاں شاید اپنی پڑدادی پر ہی گئے تھے۔ دن کے کسی بھی پہر بلاوجہ کا غصہ چڑھتا تو وہ حلق پھاڑ کر رونا شروع کرتے کہ چپ ہونے کا نام ہی نہ لیتے۔ تابش اور عرشیہ شروع شروع میں منے کو لے کر ڈاکٹر کے پاس دوڑتے۔

"پریشان ہونے کی قطعاً" ضرورت نہیں۔ بچہ درد کی وجہ سے نہیں روتا اور رونا ایک طرح کی ایکسرسائز ہی تو ہے۔"

"اگر رونا ایکسرسائز ہو تو پھر دنیا جو صبح سویرے اٹھ کر پارکوں میں جاکر جاگنگ کرتی ہے صرف حلق پھاڑ کر رونے سے کام کیوں نہیں چلا لیتی۔"

"جاؤ تیل کی شیشی لاؤ میں منے کے پیٹ پر تیل کا مساج کروں۔ دیکھ لینا ابھی فرق پڑ جائے گا۔" سطوت آرا روتے چنگھاڑتے زاویار کو اپنی گود میں لیتیں۔ جیا اپنی سریلی آواز میں بھتیجے کو لوریاں سناتی تو منال اسے گود میں لے کر لان کے درجنوں چکر کاٹ لیتی۔ منے میاں نے ذہین ہاؤس کے سب مکینوں کو ٹھیک ٹھاک مصروف کردیا تھا۔ بھانجے کی تابرداریاں کرتے ہوئے منال کو بھی اپنے اور ابتہاج کے رشتے کو سوچنے اور پریشان ہونے کا موقع کم ہی ملتا تھا، لیکن پھر نانا ماموں اور مومنہ آنٹی شادی کی تاریخ لینے آگئے۔

"میں نے جہانگیر سے کہا تھا کہ شادی تمہارے گریجویشن کے بعد ہوگی۔ خیر سے دوبار تو تم فیل ہو چکی ہو اب ان بھلے لوگوں کو اور کتنا انتظار کروائی، اگلے ماہ کی بارہ تاریخ دے دی ہے میں نے۔ اس مہینے کے اختتام تک تمہارا باپ بھی پہنچ جائے گا۔ نواسے کو بھی دیکھ لے گا اور تمہارے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائے گا۔" سطوت آرا نے سرسری انداز میں منال کو اس کی اگلے ماہ ہونے والی شادی سے آگاہ کیا تھا۔ منال جو کبوتر کی طرح آنکھیں موندے وقت گزارے جارہی تھی اتنی اچانک شادی کا سن کر ٹکر ٹکر دادی کی شکل دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عرشیہ نے شادی کی شاپنگ شروع کردی تھی۔ تایا، تائی کے انتقال کے بعد عرشیہ کی شخصیت ہی بدل گئی تھی۔ وہ جو تابش سے شادی کے بعد اترا اترا کر لڑکیوں کو جتاتی تھی کہ رشتے اور رتبے کے حساب سے وہ سب سے بڑی بن گئی ہے اب وہ واقعی "بڑی" بن گئی تھی۔ ماضی کی حماقتیں قصہ پارینہ بن گئی تھیں۔ اب وہ سمجھ دار اور بردبار سی عرشیہ تھی جو اپنی ذمہ داریاں پہچانتی بھی تھی اور انہیں بخوبی نباہتی بھی تھی۔ اس نے اور تابش نے شادی کے انتظامات اس عمدگی سے کیے کہ سطوت آرا نے شادی والے روز اس کی پیشانی چوم کر بے ساختہ دعاؤں سے نوازا تھا۔

بے شمار دعائیں تو منال کے حصے میں بھی آئی تھیں۔ وہ ان کی سب سے زیادہ سعادت مند اور فرماں بردار پوتی تھی۔ پڑھائی کے علاوہ اس نے زندگی کے کسی معاملے میں انہیں شکایت کا موقع نہ دیا تھا۔ وہ بہت حساس طبیعت کی مالک تھی۔ سطوت آرا جانتی تھیں کہ وہ اپنے ماں، باپ کی علیحدگی سے ذہنی طور پر بہت متاثر ہوئی تھی۔ باپ دیار غیر جابسا تب بھی وہ کونوں کھدروں میں چھپ چھپ کر آنسو بہاتی تھی لیکن اس فطرتاً" صابر شاکر بچی نے اپنے دکھ کو اپنے

اندر اتار لیا تھا۔ اس نے نانی اور دادی کو کبھی نہ ستایا تھا اور اب ان کی یہ معصوم اور فرماں بردار پوتی پیا دیس سدھار رہی تھی۔ اسے سینے سے چمٹا کر انہوں نے اسے بے شمار دعاؤں سے نوازا تھا۔ اگر ان کے اپنے آنسو رکنے نہ پا رہے تھے تو مناہل کا وجود بھی ہچکیوں سے لرز رہا تھا۔

"کمال کرتی ہیں آپا آپ۔ مناہل کو میرے پوتے کے سنگ رخصت کرتے ہوئے آنسوؤں کی اتنی برسات۔ ارے یہ کوئی اجنبی یا غیروں میں تھوڑی جارہی ہے' یہ تو اپنے نانا ماموں کے گھر جارہی ہے۔" نانا ماموں نے بہن کو ساتھ لپٹا کر تسلی دی۔ مناہل اب باپ کے سینے سے چمٹی تھی اس کا وجود ہچکیوں سے لرز رہا تھا تو دل انجانے خدشوں سے۔

سسرال پہنچ کر کوئی لمبی چوڑی رسمیں نہیں ہوئی تھیں۔ چار گھنٹے کے سفر میں وہ مسلسل روتی رہی تھی مومنہ آنٹی کو اس پر ترس آگیا تھا۔ انہوں نے اسے جلد ہی بیڈ روم میں بھیج دیا۔ ابتاج کے بڑے بھائی وہاج کی بیوی اسے بیڈ روم میں لے آئی تھی۔ وہ بے تحاشا حسین اور انتہائی ماڈرن عورت تھی۔ مختصر سے بلاؤز والی ساڑھی میں اس کا متناسب فگر خوب نمایاں ہو رہا تھا۔ مناہل تو اسے نظر بھر کر دیکھ بھی نہ پا رہی تھی۔

"گرینڈ پا تمہاری بہت تعریف کرتے تھے' تمہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا ہے کہ تم واقعی ان کی پسند ہو۔ پرانے زمانے کی ہیروئنوں کی طرح خوب رونے دھونے والی۔ شرمائی لجائی اور شکل سے ہی کچھ کچھ بے وقوف۔" نادیہ نے ہنستے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ ان کمنٹس پر اس نے حیرانی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ یہ تعریف تھی' تنقید یا پھر کسی قسم کا طنز۔

"سو سویٹ' یوں آنکھیں پھاڑ کر تو تم اور بھی انوسنٹ لگ رہی ہو۔ چلو اب ذرا ریلیکس ہو جاؤ میں ابتاج کو بھیجتی ہوں۔" نادیہ بھابھی اس کا گال تھپتھپا کر چلی گئیں لیکن اس کا دل تو ان کے پہلے فقرے میں اٹکا تھا۔ یعنی وہ بھی یہ حقیقت اچھی طرح جانتی تھیں کہ وہ ابتاج کی نہیں بلکہ صرف اس کے دادا کی پسند ہے۔ بے وقعتی کے شدید احساس نے ایک بار پھر اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ رونے اور مسلسل رونے کے سوا اس وقت اسے کوئی دوسرا کام نہ سوجھ رہا تھا۔ ابتاج جس وقت بیڈ روم میں داخل ہوا تو مسلسل رونے کی وجہ سے اس کی دلہن کی حالت غیر ہوئے جارہی تھی۔ محبت بھرے فقرے بھک سے ذہن سے اڑے اور وہ انتہائی تشویش کے عالم میں مناہل کے قریب آیا۔

"آر یو آل رائٹ مناہل!" اس کا ہچکیوں سے لرزتا کانپتا وجود دیکھ کر وہ بری طرح پریشان ہوا تھا۔

"تم اس رفتار سے روتی رہیں تو رونے کا عالمی ریکارڈ بنالوگی۔ پلیز چپ ہو جاؤ۔ یہ لو دو گھونٹ پانی ہی پی لو۔" اس نے سائیڈ ٹیبل پر دھرے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا۔

"میں جانتا ہوں کہ لڑکیوں کا اپنے گھر والوں سے بچھڑ کر رخصت ہونا ان کے لیے بہت تکلیف دہ عمل ہوتا ہے لیکن جب وہ اس طرح روتی ہیں تو یقین کرو وہ شخص جو انہیں رخصت کروا کر اپنے ہمراہ لاتا ہے' عجیب سے احساس جرم اور شرمندگی میں مبتلا ہو جاتا ہے' سو پلیز اپنے ساتھ ساتھ میرے حال پر بھی رحم کرو۔ چپ ہو جاؤ۔" وہ خاصی بے چارگی سے مخاطب ہوا۔ مناہل کی سسکیاں دھیرے دھیرے تھمنے لگی تھیں۔

"گڈ گرل۔ یہ ہوئی نا اچھے بچوں والی بات۔" ابتاج نے سکون کا سانس لیا۔

"مجھے پین کلر چاہیے۔ میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔" بھیگا بھیگا دھیما سا لہجہ مگر ابتاج نے شکر کیا کہ وہ کچھ بولی تو سہی۔

"میں تمہیں پین کلر دیتا ہوں لیکن ساتھ ہی تم خود کو پرسکون کرنے کی کوشش بھی کرو۔ سفر کی تھکاوٹ اور مسلسل رونے کی وجہ سے تمہاری حالت غیر ہو رہی ہے۔ اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ کر بالکل ریلیکس ہو جاؤ' اگر چاہو تو میں تمہارے گھر والوں سے

تمہاری بات بھی کروا دیتا ہوں۔" اس نے نرم لہجے میں منال کو مخاطب کیا۔ اس کے دوستانہ انداز پر منال کے اعصاب واقعی ذرا سے ریلیکس ہوئے تھے۔ اس نے دھیرے سے نفی میں گردن ہلا دی۔

ابتہاج نے ڈریسنگ ٹیبل کی دراز کھول کر کوئی پین کلر تلاشنی چاہی مگر وہ اس کوشش میں ناکام ہوا تھا۔

"میں مما سے درد کی کوئی ٹیبلٹ مانگ لاتا ہوں۔ میں چونکہ خود دوا کھانے کا چور ہوں' اس لیے میرے کمرے میں سادہ سی پین کلر تک نہیں ہوتی۔" اس نے نخواہ مخواہ وضاحت کی۔

"نہیں۔۔۔ رہنے دیں پلیز۔" منال جیسے گولی مانگ کر خود ہی شرمندہ ہوئی' اس نے اسے باہر جانے سے روکا تھا۔" میں سونے کی کوشش کرتی ہوں' امید ہے درد خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ دھیرے سے اجازت طلب کرنے کے انداز میں بولی تھی۔

"اوکے ایز یو وش۔۔۔" ابتہاج بے چارہ اس کے سوا کہہ بھی کیا سکتا تھا' سو اپنے رومانٹک موڈ کو تھپک تھپک کر سلاتے ہوئے اس نے اپنی دلہن کو بھی سونے کی اجازت دے دی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ تمہاری جٹھانی تو چلتی پھرتی قیامت ہے۔" یہ کمنٹس جیا کے تھے جو ولیمہ کی تقریب میں شعلہ جوالہ بنی نادیہ بھابھی کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

"اور وہ دیکھو قیامت صغریٰ' نادیہ بھابھی کی چھوٹی بہن۔" عرشیہ نے جیا کی توجہ دوسری جانب مبذول کروائی۔ دلہن بنی منال نے بھی ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اس سمت دیکھا تھا۔ نادیہ بھابھی کی چھوٹی بہن ہادیہ سے صبح ناشتے کی میز پر اس کا تعارف ہوا تھا اور یہ بھی پتا چلا تھا کہ ہادیہ بھی اس کے سسرال میں ہی قیام پذیر ہے۔ وہ مقامی میڈیکل کالج میں فورتھ ائیر کی اسٹوڈنٹ تھی۔ نادیہ بھابھی اور ہادیہ کے والدین کچھ عرصہ پہلے اپنے بیٹے کے پاس امریکہ شفٹ ہو گئے تھے۔ ہادیہ نے امریکہ جا کر تعلیم مکمل کرنے کے بجائے بہن کے سسرال میں قیام کو ترجیح دی تھی۔ اس میں کچھ شبہ نہ تھا کہ وہ بے تحاشا حسین تھی لیکن اس کا فیشن بے باکی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔ منال اس پر دوسری نگاہ نہ ڈال سکی تھی۔

"اگر یہ لڑکی واقعی تمہارے سسرال میں رہتی ہے تو تمہارا زیادہ تر وقت تو استغفراللہ پڑھنے میں گزرے گا۔" جیا نے خیال ظاہر کیا۔

"صرف استغفار ہی نہ پڑھتی رہنا' آنکھیں اور کان بھی کھلے رکھنا۔" عرشیہ تو کچھ زیادہ ہی تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ منال کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ آنکھیں اور کان کھلے رکھ کر اس نے کیا کرنا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ آنکھیں بھی بند رکھتی اور کان بھی۔ کل سے اب تک اس نے لوگوں کی آنکھوں میں اپنے لیے صرف حیرت دیکھی تھی اور مومنہ آنٹی ہر آئے گئے سے اس کا تعارف ان الفاظ میں کروا رہی تھیں کہ منال سراسر ان کے سسر کی پسند ہے۔ ان کا لہجہ ہنستا مسکراتا ہی ہوتا تھا لیکن بار بار ایک فقرے کی تکرار سن کر منال کا دل ڈوب رہا تھا۔

"ماشاء اللہ! ابتہاج کو اس کی فرماں برداری کا کیا حسین صلہ ملا ہے۔ بیٹا جی ہم بھی دادا کی پسند پر بات چھوڑتے تو فائدے میں رہتے۔" نانا ماموں کی کسی کزن نے مسکراتے ہوئے وہاج کو مخاطب کیا۔

"ابتہاج کی تو بچپن کی عادت ہے' وہ پہلے گرینڈ پا کی بات مانتا ہے' پھر منہ بسورتا ہے اور میں نے ہمیشہ اپنے دل کی بات مانی ہے۔ بنٹی آنٹی' آپ اچھی طرح جانتی تو ہیں۔" وہاج نے مسکرا کر خاتون کو جواب دیا۔

وہاج کا جواب منال کے دل پر نقش ہو گیا تھا۔ ابتہاج واقعی اپنے دادا کا فرماں بردار پوتا تھا' فی الوقت وہ فرماں برداری کی انتہاؤں پر تھا۔ اس نے دادا کی پسند کی ہوئی لڑکی سے محبت بھرا برتاؤ اختیار کیا ہوا تھا۔ وہ منال سے اظہار محبت بھی کر رہا تھا اور بے پناہ وارفتگی کا اظہار بھی کر رہا تھا۔ اس نے بیتی رات کا ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا تھا۔ وہ اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ منال کا جی چاہتا کہ وہ اس کے اظہار محبت پر ایمان

لے آئے لیکن پھر دماغ دل کی اس جذباتیت پر اسے ڈپٹ دیتا۔ پہلے پہل ابتاج نے اس کے گریز کو اس کی شرم و حیا پر محمول کیا لیکن پھر وہ اس کے سرد و سپاٹ رویے سے الجھ سا گیا۔ اس کی بیوی کے دل و دماغ میں کوئی نہ کوئی کشمکش برپا ہے' اسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا لیکن وہ چپ کی بکل اوڑھے ہوئے تھی اور ابتاج کو الجھن سلجھانے کا کوئی سرا نہ مل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ذیشان ہاؤس میں ایک ہفتے قیام کے بعد واپس سسرال لوٹی تو سب مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ ابتاج نے اپنا آفس جوائن کر لیا تھا۔ وہاج بھائی ڈاکٹر تھے۔ وہ دن کے گیارہ بجے گھر سے نکلتے تو رات کو گیارہ بجے سے پہلے گھر نہ لوٹتے۔ نادیہ بھابھی نے بھی کوئی این جی او جوائن کر رکھی تھی' وہ بھی زیادہ تر وقت گھر سے باہر گزارتیں۔ سب کی روٹین کا اندازہ ہونے کے بعد منال کو خاصا اطمینان ہوا تھا۔ دن کے وقت گھر پر نانا ماموں اور مومنہ آنٹی ہی ہوتے تھے۔ مومنہ آنٹی اس کا بہت خیال رکھ رہی تھیں اور رہے نانا ماموں جو اب اس کے دادا سر تھے۔ اس کے لیے سسرال کی اجنبی سرزمین پر مانوس اور شفیق ترین ہستی ان ہی کی تھی اور وہ سسرال میں اس کا دل لگانے کے لیے ہر ممکن جتن کر رہے تھے۔

اپنا اسٹڈی روم جس میں وہ کسی کو مشکل سے ہی جانے کی اجازت دیتے تھے۔ منال کی وہاں عام رسائی تھی' بلکہ اکثر وہ اسٹڈی میں ہی منال کے ساتھ سکریبل اور شطرنج کی بازی لگاتے۔ ان کی سنگت میں منال کا بہت اچھا وقت گزرتا تھا۔ یہ سچ تھا کہ سسرال میں آہستہ آہستہ اس کا دل لگ رہا تھا لیکن جس شخص کے نام سے جڑ کر وہ یہاں آئی تھی اس کے لیے اس نے اپنے دل کے کواڑ سختی سے بند کر رکھے تھے۔ کیا خبر کہ فرماں بردار پوتے کی فرماں برداری کا ڈی لینڈ ہو جائے۔ منال اگر اس سے دل بھی لگا لیتی تو پھر تو وہ کہیں کی نہ رہتی لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ وہ ابتاج کی شان دار شخصیت کے سحر میں ضرور گرفتار ہوتی جا رہی تھی۔ جب وہ صبح آفس جانے کے لیے تیار ہوتا' شام کو لیپ ٹاپ کھولے کسی کام میں مصروف ہوتا یا پھر فون کان سے لگائے اپنے کسی کولیگ سے آفس کے کسی مسئلے پر بات چیت کر رہا ہوتا۔ وہ کتنی روانی سے کیسی شان دار انگلش بولتا تھا' بلکہ اس گھر میں ہر کوئی کتنا قابل اور پڑھا لکھا تھا۔ ناشتے کی میز پر انگریزی اخبار پڑھتے ہوئے وہ شستہ انگریزی میں ہی خبریں ڈسکس کرتے۔ یہ نہیں تھا کہ یہ سب منال کے سر پر سے گزرتا' اس نے بھی بی اے میں انگلش لٹریچر ہی پڑھا تھا لیکن اسے زبان و بیان پر ان لوگوں جیسا عبور نہ تھا۔ ان سب کے سامنے اسے اپنا آپ بہت معمولی اور کم تر لگتا۔ ابتاج کے ساتھ واقعی اس کا کوئی جوڑ نہ تھا۔ اسے تو کوئی اپنے جیسے پڑھی لکھی اور قابل لڑکی ملنی چاہیے تھی۔ کوئی اور ہی کیوں' یہ نادیہ بھابھی کی ہادیہ بھی تو اس کی ٹکر کی تھی' پڑھی لکھی' خوب صورت اور بہت سلجھی ہوئی بھی۔

"آج ڈرائیور چھٹی پر ہے۔ ابتاج آپ مجھے کالج ڈراپ کر دیں گے؟" ناشتے کے بعد نیپکن سے منہ پونچھتے ہوئے اس نے جس بے تکلفی سے ابتاج کو مخاطب کیا' منال کی ساری حسیات ایک دم چوکس ہوئی تھیں۔

"اگر بالکل ریڈی ہو تو ٹھیک ہے چل کر گاڑی میں بیٹھو اور اگر کچھ دیر ہے تو سوری' مجھے آج آفس جلد پہنچنا ہے۔" ابتاج ڈائننگ ٹیبل سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"میں بس کمرے سے اپنا بیگ اٹھا لاؤں۔" ہادیہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ منال کا ناشتے سے ایک دم جی اچاٹ ہوا تھا۔

"منال شام کو تیار رہنا۔ یاد ہے نا سہد کے ہاں ہم ڈنر پر انوائیٹڈ ہیں۔" ابتاج نے بالکل اچانک اسے مخاطب کیا۔ وہ جیسے ایک دم چونکی تھی' پھر دھیرے سے اثبات میں گردن ہلا دی۔ سہد اس کا بیسٹ فرینڈ تھا۔ دو دن پہلے وہ اپنی بیوی کے ساتھ نئے نویلے جوڑے کو

اپنے ہاں کھانے پر مدعو کرنے آیا تھا۔ اس کی بیوی مناہل کو خاصی معقول لگی تھی' اس لیے ان کے ہاں دعوت پر جانے کا سوچ کر اسے کوئی الجھن نہ ہوئی' ورنہ ابتہاج کے ننھیالی اور ددھیالی رشتہ داروں کے ہاں جاکر اس کا احساس کمتری بڑھ جاتا تھا۔ سب کے سب انتہائی پڑھے لکھے اور پروفیشنل قسم کے لوگ تھے۔ ابتہاج کی کزنز میں سے کوئی ڈاکٹر تھی' کوئی انجینئر اور ایک دو تو ملٹی نیشنل کمپنیوں میں ایگزیکٹو پوسٹ پر تھیں۔ مناہل کو ڈر ہی لگتا رہتا کہ کبھی کوئی اس کی ایجوکیشن کے متعلق نہ پوچھ لے' مگر شکر ہے آج تک ایسی نوبت نہ آئی تھی' لیکن دل ہی دل میں وہ سطوت آرا سے بہت خفا تھی' انہیں اسے اتنے بے جوڑ بندھن میں نہیں باندھنا چاہیے تھا۔ شادی کو ابھی اتنے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے لیکن اس کے دل و دماغ پر دھرا بوجھ ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔ اس کا سسرال روایتی سسرال نہ تھا جہاں وہ خدمت گزاری کے بل پر سسرالیوں کے دل جیتنے کی کوشش کرتی۔ خانساماں سمیت گھر کے سب ملازمین بہت تربیت یافتہ تھے اور اپنے فرائض بخوبی بجالاتے۔ دل جیتنے کے لیے نہ سہی وقت گزاری کے لیے ہی مناہل نے گھر کے کاموں میں دلچسپی لینا شروع کی تھی اور جب پہلی بار اس نے خانساماں کی مدد کے بغیر خود کھانا بنایا تو خلاف توقع سب نے ہی خوب تعریف کی۔ حالانکہ اس نے سادہ سا آلو گوشت اور یخنی والا پلاؤ ہی بنایا تھا۔

"آج لگ رہا ہے جیسے ہم ہوٹلنگ نہیں کر رہے' بلکہ گھر میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے ہیں۔ یہ نزاکت تو کانٹی نینٹل اور چائنیز کے چکر سے ہی نہیں نکلتا۔" وہاج بھائی نے سب سے پہلے تبصرہ کیا تھا۔

"نزاکت کی کیا بات کرتے ہو میاں۔ اس سے تو کبھی فرمائش کرکے آلو گوشت بنواؤں' تب بھی یوں لگتا ہے کہ چائنیز آلو گوشت کھا رہے ہیں۔" نانا ماموں نے خانساماں کی شان میں قصیدہ پڑھا۔

بری ہے ابو۔ جب سے مجھے جوڑوں کا مرض لگا ہے۔ کچن میں کھڑے ہو کر کام کرنا خواب و خیال بن گیا۔ اب تو نزاکت کے ہی رحم و کرم پر ہیں' جو کھلا دے۔ چپ کرکے کھانا مجبوری ہے۔" مومنہ نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"اب مناہل ہے نا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ اسی طرح کے مزے مزے کے کھانے بنا کر ہمیں کھلاتی رہے گی۔ کیوں مناہل ٹھیک کہہ رہا ہوں نا۔" وہاج بھائی نے اسے مخاطب کیا۔ وہ جو سب کی توجہ اپنی جانب مبذول پاکر پزل ہو گئی تھی۔ دھیرے سے سر ہلانے پر اکتفا کیا اور پھر دھیرے دھیرے اس نے کچن کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ نزاکت کی حیثیت ایک ہیلپر کی سی تھی۔ وہ نانا ماموں کے لیے پرہیزی کھانا بناتی' اس کی کوشش ہوتی کہ تیز مسالوں کا استعمال کیے بغیر کھانا نانا ماموں کی پسند کا بن جائے' اپنی کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب تھی۔ پھر نانا ماموں دوا کھانے کے بہت چور تھے۔ مناہل نے غیر محسوس طریقے سے انہیں میڈیسن دینے کی ذمہ داری خود اٹھالی۔ مومنہ آنٹی جو عرصے سے تنہائی کی ماری تھیں۔ مناہل کی صورت میں انہیں بہت اچھا سامع مل گیا تھا۔ ان کی زندگی کی داستان سن کر مناہل کی آنکھیں کئی بار نم ہو جاتیں۔ عین جوانی میں محبت کرنے والے شریک سفر کی جدائی کیسا عظیم سانحہ تھا۔ وہ آج بھی اپنے مرحوم شوہر کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھیں۔ وہ مناہل کو پرانے فوٹو البمز دکھاتیں' ہر تصویر کے ساتھ ان کی کوئی نہ کوئی یاد جڑی تھی اور مناہل بہت اشتیاق سے ان کے ساتھ ان کے ماضی میں جھانکتی۔

"زندگی میں پہلی بار احساس ہو رہا ہے کہ بیٹی کو اللہ کی رحمت کیوں کہا جاتا ہے۔ ماں کی ہمدم و دمساز تو بیٹیاں ہی ہوتی ہیں۔ تم مجھے آنٹی مت کہا کرو' مما کہا کرو۔" مومنہ آنٹی کی فرمائش اتنی اچانک تھی کہ مناہل ہکا بکا رہ گئی مگر اگلے ہی پل اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اپنی ماں تو بچپن میں ہی ممتا سے محروم کرکے نئی دنیا بسانے چلی گئی تھی' پھر قدرت نے کشور سلطانہ جیسی بے لوث محبت لٹانے والی تائی کی ممتا ان

دونوں بہنوں کی جھولی میں ڈال دی تھی اور تائی دنیا سے رخصت ہوئیں تو مومنہ آنٹی جیسی ساس مل گئیں جو بہت محبت بھرے لہجے میں فرمائش کررہی تھیں کہ وہ انہیں ان کے بچوں کی طرح مما کہہ کر مخاطب کرے' اس کی آنکھوں کی جھلملاہٹ دیکھ کر مومنہ آنٹی نے بے ساختہ اسے اپنے ساتھ لپٹالیا۔ ابتاج کسی کام سے ماں کے کمرے میں داخل ہوا تو اندر کا منظر حیران کن تھا۔ وہ مومنہ بیگم کے سینے سے چمٹی ہچکیوں سے رو رہی تھی۔ اسے ان کے وجود سے لپٹ کر اپنی ماں یاد نہیں آئی تھی' بلکہ ماں جیسی تائی کی پر شفقت آغوش یاد آئی تھی۔ مومنہ بیگم کے ہاتھ کا لمس بالکل کشور سلطانہ کے ہاتھ کے لمس جیسا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کی پیٹھ تھپک رہی تھیں۔

"مجھے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ یہاں کوئی اموشنل سین چل رہا ہے ورنہ میں دستک دے کر اندر آتا۔ بہرحال مما فارغ ہو کر میری بات سن لیں' میں باہر لاؤنج میں ویٹ کررہا ہوں۔" ابتاج سنجیدگی سے کہتا واپس پلٹا تھا۔

منال نے اس کے لہجے کی سنجیدگی کو جی جان سے محسوس کیا۔ پچھلے کچھ دنوں سے ابتاج کے رویے میں واضح تبدیلی آئی تھی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں وہ جس محبت اور وارفتگی کا اظہار کرتا تھا' اب وہ رویہ یکسر بدل گیا تھا۔ شاید فرماں برداری کا پیریڈ اپنے اختتام کو پہنچ رہا تھا اور وہ اس بے جوڑ بندھن سے اکتانے لگا تھا۔ منال نے اول روز سے کوشش کی تھی کہ ابتاج سے اس کی دلی وابستگی قائم نہ ہونے پائے' لیکن وہ اپنے دل کے کواڑ بند کرتے کرتے تھک چکی تھی۔ اسے احساس تک نہ ہوا۔ وہ تو کب سے اس کے دل کی مسند پر براجمان ہو چکا تھا۔ اس کی بے گانگی متوقع سہی' مگر منال کے لیے بہت تکلیف دہ تھی اور اب تو وہ ابتاج سے وابستہ رشتوں سے بھی محبت کے اٹوٹ بندھن میں بندھ چکی تھی۔ ان سب سے بچھڑنے کا تصور ہی بہت اذیت کن تھا۔ شفیق ترین نانا ماموں' ماں جیسی ..... بیگم' ہنس مکھ اور خوش مزاج وہاج بھائی اور تو اور نادیہ بھابھی جو شروع میں اس سے ذرا فاصلہ رکھ رہی تھیں۔ وہ بھی اس سے بہت بے تکلف ہو گئی تھیں۔ شادی کے چھ برس بعد بھی وہ ماں کے رتبے پر فائز نہ ہو سکی تھیں۔ زندگی کی یہ محرومی انہیں حد درجہ ڈپریشن میں مبتلا کر چکی تھی۔ سائیکاٹرسٹ کے مشورے پر انہوں نے دھیان بٹانے کے لیے سوشل ورک کا آغاز کیا تھا۔ منال کی پر خلوص طبیعت کا اندازہ ہونے کے بعد انہوں نے اس سے اپنے دل کے سارے دکھڑے روئے تھے۔

"وہاج اور میری لو میرج تھی۔ مومنہ آنٹی اور گرینڈ پا کی شدید مخالفت کے باوجود وہاج نے مجھ سے شادی کی۔ ہمارے گھروں کے ماحول میں بہت فرق تھا۔ میں چاہتی تو وہاج کی محبت میں خود کو بدل سکتی تھی' لیکن آنٹی اور گرینڈ پا کی نگاہوں میں مجھے دیکھ کر جو بے زاری اترتی تھی' وہ مجھے مزید ضد دلاتی تھی۔ میں نے خود کو بدلنے کا ارادہ ترک کر کے آنٹی کو چڑانے کے لیے ہر اوٹ پٹانگ کام کیا۔ آنٹی وغیرہ کو سب سے قابل اعتراض تو میری ڈریسنگ لگتی ہے' لیکن میں نے شادی کے پہلے روز سے ہی اپنی شخصیت پر اتنے اعتراض سہے کہ اس کا ردعمل مزید قابل اعتراض ڈریسنگ کی صورت میں ہی نکلنا تھا۔ وہاج میرے ساتھ تھے اور مجھے کسی کی پروا نہ تھی لیکن پھر اس گھر میں تم آگئیں۔" نادیہ بھابھی بات کرتے کرتے رکیں اور وہ جو بہت منہمک ہو کر انہیں سن رہی تھی' اپنا ذکر آنے پر یک دم چونکی۔

"تمہاری شادی سے پہلے ہی آنٹی نے مجھے جتانا شروع کر دیا تھا کہ ابتاج نے گرینڈ پا کی منتخب کردہ لڑکی سے رشتہ جوڑا ہے اور بزرگوں کی بات مان کر وہ ہمیشہ خوش و خرم رہے گا۔ وہ تو شاید ہماری بے اولادی کو بھی والدین کی نافرمانی کا نتیجہ قرار دیتی ہیں۔ انہوں نے تو کبھی میری گود ہری ہونے کی دعا بھی نہ کی ہوگی۔" نادیہ بھابھی کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ منال کو اس سے ان پر جی بھر کر ترس آیا۔ وہ اسی وقت ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی۔ مومنہ آنٹی کی تو شاید زندگی کی سب

سے بڑی خواہش ہی یہ رہ گئی تھی کہ وہ وہاج بھائی کے بچے کو گود میں کھلا سکیں۔ ابھی کل ہی تو مومنہ آنٹی دکھ بھرے لہجے میں اس سے مخاطب تھیں۔

"میں وہاج اور نادیہ کے سامنے کبھی بچے کی خواہش کا تذکرہ نہیں کرتی۔ نادیہ سے لاکھ اختلاف سہی مگر جانتی ہوں یہ محرومی اسے اندر ہی اندر گھلا رہی ہے۔ ہم لوگ بھی بچے کی خواہش کا برملا اظہار شروع کردیں تو اور ڈپریس ہو جائے گی۔ جیسی بھی ہے' میری بہو ہے اور ظاہر ہے وہاج کے حوالے سے مجھے عزیز بھی ہے۔ اللہ سے یہ ہی دعا ہے جلد اس کی گود ہری کرے۔" مومنہ آنٹی نے آنکھوں کی نمی پونچھتے ہوئے دعا کی تھی۔ مناہل نے صدق دل سے آمین کہا تھا لیکن نادیہ بھابھی ساس کے متعلق کتنی بڑی غلط فہمی کا شکار تھیں' مومنہ نے فی الحال انہیں ٹوک کر غلط فہمی کی تصحیح کرنا مناسب نہ سمجھا۔ وہ چاہتی تھی نادیہ بھابھی سب کچھ کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرلیں۔

"ابتاج کا رشتہ طے ہونے کے بعد سے میں تمہارے متعلق بہت تجسس میں مبتلا تھی۔ گرینڈپا اور آنٹی نے تو مجھے بڑی بہو ہونے کا کوئی حق ہی نہ دیا۔ حالانکہ ابتاج کی منگیتر دیکھنے کو میرا بہت جی کرتا تھا لیکن کبھی کسی نے مجھے تمہارے ہاں چلنے کی آفر ہی نہ کی۔ خیر مجھے اندازہ تھا کہ گرینڈپا نے ابتاج کے لیے کیسی لڑکی منتخب کی ہوگی۔ گھریلو سی مشرقی دوشیزہ جو میری طرح شرم وحیا سے عاری نہ ہوگی۔" نادیہ بھابھی نے قہقہہ لگاتے ہوئے گویا اپنا مسخرا اڑایا تھا۔

"اور پھر گرینڈپا اور مما تمہیں کسی فخریہ پیش کش کی طرح رخصت کروا کر یہاں لے آئے۔ تمہاری سادگی اور معصومیت دیکھ کر میں واقعی حیران رہ گئی تھی۔ آنٹی ہر آئے گئے کے سامنے یہ ہی راگ الاپ رہی تھیں کہ ابتاج نے دادا کی پسند پر سر جھکایا ہے۔ وہ درحقیقت مجھے جتانا چاہ رہی تھیں کہ میں ان لوگوں کے لیے کتنی ان وانٹڈ تھی' جس طرح آنٹی نے تمہارے چاؤ چونچلے اٹھائے' میری باری میں صورت حال یکسر مختلف تھی' لیکن ان دنوں وہاج کی محبت کا جادو میرے سر پر چڑھ کر بول رہا تھا' مجھے کسی اور کی ناز برداری کی ضرورت ہی نہ تھی' لیکن گھر والوں کے ساتھ تمہارا ریلیشن دیکھ کر مجھے بھی اپنی زندگی میں کسی کمی' کسی خلا کا احساس ہوا۔ حالانکہ اس گھر میں میری اپنی سگی بہن بھی رہتی ہے' لیکن اسے بھی بہن کی زندگی کے کسی معاملے' کسی مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ یا تو اپنی پڑھائی میں مگن ہوتی ہے یا اپنے منگیتر کے ساتھ مصروف۔"

"منگیتر!" مناہل اس بار نادیہ بھابھی کی بات کاٹے بنا نہ رہ پائی۔ "ہاں میرے چاچو کا بیٹا امریکہ میں ہوتا ہے' لیکن نیٹ اور موبائل کے ہوتے ہوئے آج کل فاصلوں کی اوقات۔" وہ مسکرائی تھیں۔

"خیر نادیہ کا یہاں کیا ذکر۔ میں تو تمہاری بات کررہی تھی۔ کبھی مجھے لگتا کہ تم گھر والوں کی نظروں میں نمبر بنانے کے لیے ان کے آگے پیچھے پھرتی ہو لیکن پھر جن دنوں میری طبیعت خراب ہوئی اور اتفاق سے وہاج بھی ہفتے بھر کے لیے شہر سے باہر تھے تو تم نے نہ صرف پورے خلوص سے میری تیمارداری کی۔ ہر طرح سے میرا خیال رکھا' بلکہ میرا دھیان بٹانے کی خاطر میرے کمرے میں آکر مجھ سے گپ شپ لگانے کی کوشش کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ یہ لڑکی پرخلوص نظر آنے کی کوشش نہیں کرتی بلکہ یہ حقیقت میں بھی اتنی ہی پرخلوص اور بامروت ہے کیونکہ سسرال میں نمبر بنانے کے لیے کم از کم اسے میرے آگے پیچھے پھرنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ میرے قریب آنے سے تو اس کے اپنے نمبر گھٹنے کا خدشہ تھا' پھر بھی اس نے کسی کی پروا کیے بغیر میرا ہر ممکن خیال رکھا اور مجھے۔"

"اب بس بھی کریں نادیہ بھابھی۔ ایسا کون سا خاص خیال رکھا میں نے۔" اس نے جھینپتے ہوئے ان کی بات کاٹی تھی۔ ابھی کچھ دن پہلے نادیہ بھابھی کو خاصا تیز بخار چڑھ گیا تھا۔ وہاج بھائی کی غیر موجودگی میں اس نے بیمار پڑی نادیہ بھابھی کو ذرا سی کمپنی دینے کی کوشش کی تھی اور وہ اسی بات کو کتنا بڑھا چڑھا کر بیان کررہی تھیں۔ مناہل اپنی تعریف سن کر جھینپ رہی تھی۔

"تم بہت اچھی ہو مناہل۔ اس گھر کے باقی لوگوں سے بالکل مختلف۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر اسے سراہا اور اب بولنے کی باری مناہل کی تھی۔

"اس گھر کے سب مکین ہی بہت اچھے ہیں' نادیہ بھابھی سمیت' آپ لوگوں کے درمیان فقط کمیونیکیشن گیپ ہے اور تھوڑی سی بدگمانی کی فضا قائم ہے اور اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اس سب کے لیے کسی حد تک آپ کو قصوروار گردانوں گی۔" اس نے صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"میں واقعی برا نہیں مانوں گی' لیکن تم اپنی بات کی وضاحت تو کرو۔" نادیہ بھابھی نے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی زبانی اپنے حصے کے قصور سننا چاہے۔

"آپ کو گلہ ہے کہ وہاج بھائی کی فیملی نے آپ کو اول روز سے قبول نہ کیا' لیکن آپ نے بھی تو سسرال والوں کے دل میں جگہ بنانے کی کوئی کوشش نہ کی۔ آپ اپنی ڈریسنگ کی ہی مثال لے لیں۔ یہ جانتے بوجھتے کہ اس گھر کے ماحول میں ایسا لباس قابل اعتراض سمجھا جاتا ہے' آپ نے کبھی خود کو مومنہ آنٹی کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہ کی' بلکہ نادیہ بھابھی آپ نے ان کی ضد میں اپنا بڑا نقصان کیا۔ ساس کی ناراضی مول لیتے لیتے آپ اپنے رب کی ناراضی بھی مول لے بیٹھیں' آپ خود سوچیں ایک مسلمان عورت کو ایسا پہناوا زیب دیتا ہے۔ ہمارے مذہب میں ستر پوشی کے کتنے واضح احکام ہیں' سچ کہوں تو ایک عورت ہونے کے باوجود کبھی کبھار مجھے بھی آپ کے وجود سے نگاہیں چرانی پڑتی ہیں۔ کھلے گریبانوں والا کتنا چست لباس ہوتا ہے آپ کا۔" مناہل نے موقع غنیمت جان کر سب سے پہلے نادیہ کی توجہ اس کی سب سے قابل اعتراض عادت کی جانب دلائی تھی۔

"میں اولاد کی محرومی کی وجہ سے آپ کے ہونے والے ڈپریشن کو سمجھتی ہوں' جس سائیکاٹرسٹ نے آپ کو سوشل ورک کا مشورہ دیا ہے۔ یقیناً" بہت درست مشورہ ہے لیکن آپ ایک مشورہ میرا بھی مانیں۔ اپنے دل کے اطمینان کے لیے اپنے رب کی رضا تلاش کریں۔ اس کے واضح احکامات کی نفی کرتے ہوئے آپ کو سکون قلب کیسے مل سکتا ہے۔" اس نے پورے خلوص سے انہیں سمجھانا چاہا' ساتھ ہی مومنہ آنٹی کی طرف سے ان کا دل صاف کرنے کی کوشش کی تھی۔ مناہل جانتی تھی کہ یہ غلط فہمیاں ایک دم سے ختم نہیں ہوں گی۔ لیکن اس نے اپنی کوشش جاری رکھی۔ وہ کبھی مومنہ آنٹی سے بات کرتے ہوئے نادیہ بھابھی کے طرز عمل کی توجیحات پیش کرتی۔ نادیہ بھابھی کے رویے کو عمل اور ردعمل کے تناظر میں سمجھانے کی کوشش کرتی تو کبھی نادیہ بھابھی کو احساس دلاتی کہ ان کی ساس ہرگز بھی دل کی بری نہیں اور وہ وہاج بھائی کے حوالے سے انہیں بھی عزیز رکھتی ہیں۔ آہستہ آہستہ اس کی کوششیں رنگ لانے لگیں۔ ساس بہو کے تعلقات کی سرد مہری تیزی سے ختم ہونے لگی۔ نادیہ بھابھی خود کو ساس کی پسند کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کررہی تھیں اور مناہل ان کی بھرپور مدد کررہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس روز بھی وہ نادیہ بھابھی کے ہمراہ شاپنگ کرکے گھر لوٹی تو پورچ میں ابتہاج کی گاڑی کھڑی دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ آج کل آفس سے لیٹ نائٹ گھر آتا تھا' آج جانے جلد گھر کیسے آگیا۔ نادیہ بھابھی بہت شوق سے اپنی شاپنگ مومنہ آنٹی کو دکھانے لگیں۔ مناہل کے مشورے سے خریدے گئے مشرقی ملبوسات مومنہ آنٹی کو واقعی بہت پسند آئے تھے۔

"تم نے اپنے لیے کچھ نہیں خریدا؟" انہوں نے حیرت سے استفسار کیا "ابھی تو بری' جہیز کے کپڑے یوں ہی پڑے ہیں مما۔" وہ مسکرائی۔ "میں دیکھ رہی ہوں مناہل تم اپنے سجنے سنورنے میں ذرا دلچسپی نہیں لیتیں اور لڑکیوں کو تو شاپنگ کا کریز ہوتا ہے اور میں تو کہوں گی کہ ہونا بھی چاہیے یہ ہی تو ارمانوں بھرے دن

ہوتے ہیں لیکن تم تو دنیا جہان سے انوکھی لڑکی ہو۔" مومنہ بیگم اس پر خفا ہوئی تھیں۔ اس کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ سجنے سنورنے میں تو وہ جب دلچسپی لیتی جب شوہر اس کی ذات میں دلچسپی لیتا۔ وہ تو بالکل لاتعلق اور اجنبی بن کر رہنے لگا تھا۔ شادی کے ابتدائی دنوں کی وہ خوش مزاجی جو مناہل کے دل میں بعض اوقات کسی خوش فہمی کو بھی جنم دے دیتی تھی۔ وہ اب خواب و خیال ہو گئی تھی۔ وہ مناہل کو انتہائی ضرورت کے وقت مخاطب کرتا اور مخاطب کرتے ہوئے بھی اس کا لہجہ اتنا روکھا اور خشک ہوتا کہ مناہل کو آنسو ضبط کرنا دوبھر ہو جاتا۔ وہ اپنی شادی شدہ زندگی کے انجام سے تو واقف تھی، لیکن یہ سب کچھ اتنی جلدی ہو جائے گا۔ اسے اندازہ تک نہ تھا۔ فی الحال تو وہ کبوتر کی طرح آنکھیں موندے سسرال والوں کے معاملات درست کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اپنا معاملہ اس نے اللہ کے سپرد کر رکھا تھا۔

"ابتاج کی کچھ طبیعت صحیح نہیں ہے۔ کافی دیر ہو گئی اسے آفس سے لوٹے۔ جاؤ چائے وائے کا پوچھ لو اس سے۔" مومنہ بیگم کو اچانک خیال آیا تو اسے ابتاج کی طبیعت خرابی سے آگاہ کیا۔ وہ "جی مما" کہتی بیڈ روم میں چلی گئی۔ ابتاج آنکھیں موندے لیٹا تھا۔ آہٹ پر بھی اس نے آنکھیں نہ کھولیں۔ اب ایک سوئے ہوئے بندے سے وہ کیسے چائے پانی کا پوچھتی۔ کچھ دیر کھڑی یہ ہی سوچتی رہی، پھر واپس جانے کے لیے قدم دروازے کی جانب بڑھائے۔

"کہاں جا رہی ہو۔" اس نے ایک دم پکارا تھا۔ وہ ٹھٹک کر پلٹی۔

"کیسی طبیعت ہے آپ کی۔ مما بتا رہی تھیں کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے آپ آفس سے جلد آ گئے تھے۔" اس نے ابتاج کو مخاطب کیا۔ ابتاج نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس تیکھی نگاہوں سے اسے گھورتا رہا۔

"چائے لاؤں آپ کے لیے۔" مناہل اس کی نگاہوں سے پزل ہوئی۔ آج تو اس کے تیور ہی الگ تھے۔

"کہاں گئی تھیں تم۔" سوال گندم، جواب چنا۔

"نادیہ بھابھی کے ساتھ گئی تھی، انہیں کچھ چیزیں خریدنا تھیں۔" مناہل نے دھیرے سے بتایا۔

"سب سسرال والوں کے دل میں بہت جلد جگہ بنالی ہے تم نے۔" وہ کاٹ دار لہجے میں گویا ہوا۔ مناہل چپ چاپ ہونٹ کاٹنے لگی۔ اب بھلا اس بات کا وہ کیا جواب دیتی۔

"پوچھنے کی جسارت کر سکتا ہوں کہ میرا کیا قصور ہے۔ میرے ساتھ سوتیلی بیویوں والا برتاؤ کیوں کرتی ہو۔" کیا انوکھی اصطلاح استعمال کی تھی اس نے۔ مناہل ہکا بکا ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"مطلب کیا ہے آپ کا۔" پوچھتے ہوئے اس کے لب کپکپا رہے تھے۔

"مطلب تو میں نے تم سے پوچھنا ہے مناہل۔ تمہارے اس عجیب و غریب رویے کو سہنا اب میرے لیے ممکن نہیں رہا۔ میں اب ایک نارمل زندگی جینا چاہتا ہوں۔" ابتاج اس بار قدرے بے چارگی بھرے لہجے میں گویا ہوا۔ مناہل کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"شروع میں مجھے لگا کہ تم اس شادی کے لیے ذہنی طور پر تیار نہیں ہیں۔ میں اظہار محبت کرتا تھا اور تم اتنی گم صم اور سپاٹ رہتی تھیں جیسے میں تم سے نہیں کمرے کی دیواروں سے ہم کلام ہوں۔ پھر میں نے تم سے دوستی بھرا برتاؤ اختیار کیا۔ اس کا بھی کوئی رسپانس نہ ملا۔ پھر اپنی دانست میں، میں نے تمہیں لاتعلقی کی مار، مارنا چاہی لیکن تمہیں پھر بھی کوئی فرق نہ پڑا۔ تم میرے ساتھ شادی کر کے خوش نہیں ہو، یہ بات میری سمجھ میں آ گئی لیکن پھر تم میرے گھر والوں کے ساتھ پیار کی پینگیں کیوں بڑھا رہی ہو۔ جب تمہیں میری ذات سے ہی کوئی سروکار نہیں تو یہ رشتہ قائم رکھنے کا کیا جواز بنتا ہے۔ لیکن تم حقیقت سے فرار حاصل کرنے کے بجائے مجھ سے اس موضوع پر بات تو کرو۔ تمہاری زندگی کا فیصلہ تمہاری خواہش پر ہو گا۔" وہ رسانیت سے مخاطب ہوا۔ مناہل حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھنے لگی۔

"آپ کس قدر چالاک شخص ہیں۔ میرے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلا رہے ہیں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ آپ اس بے جوڑ بندھن سے اکتا گئے ہیں اور اسے ختم کرنا چاہتے ہیں۔" شدت جذبات سے اس کی آواز کپکپا گئی تھی۔ ابتہاج نے گہرا سانس اندر کھینچتے ہوئے اسے غور سے دیکھا' وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا۔ اس نے بیوی کو بولنے پر اکسالیا تھا' شاید آج الجھن کا کوئی سرا اس کے ہاتھ میں آسکے۔ وہ جی جان سے مناہل کی جانب متوجہ ہوا۔ جس کے چہرے پر خفگی اور برہمی جھلک رہی تھی' آنسو تواتر سے گر کر گال بھگو رہے تھے۔

"آپ نے محض اپنے دادا کی خوشنودی کے لیے یہ بندھن جوڑا' لیکن آخر کار آپ اس بے جوڑ بندھن سے اکتا گئے اور مجھے علم تھا کہ ایسا ہی ہوگا' اس لیے میں نے شروع دن سے آپ کو لفٹ نہیں کروائی تھی۔" روتے روتے کیسا معصومیت بھرا انکشاف کیا تھا اس نے۔ ابتہاج بہت دلچسپی سے اس کے انکشافات سن رہا تھا۔

"بے جوڑ بندھن سے کیا مراد ہے تمہاری۔ ذرا وضاحت کروگی۔ میری ناقص عقل تو اس ٹرم کو سمجھنے سے قاصر ہے۔" وہ پوچھ رہا تھا۔ مناہل نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ یقیناً" اس کا تمسخر اڑا رہا تھا۔ لیکن اگر اسے مناہل کی زبانی سن کر مزید تسکین ملنی تھی تو وہ اسے اس تسکین سے محروم نہ کرنا چاہ رہی تھی۔ اس وقت وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔

"محض اپنے دادا کی خواہش پر آپ جیسے پڑھے لکھے شخص کو ایک ایف اے پاس لڑکی سے شادی کرنا پڑی' لیکن اب آپ کو اپنی بے وقوفی کا اندازہ ہو ہی گیا ہے تو مزید وقت ضائع کیے بغیر اس بے وقوفی سے چھٹکارا پا لیں۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ ابتہاج کے سر سے جیسے منوں ٹنوں کے حساب سے وزنی بوجھ اتر گیا۔ الجھن کا سرا مل گیا تھا۔ گرینڈپا کی زبانی وہ مناہل کے والدین کی علیحدگی کی داستان سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن اسے ہرگز اندازہ نہ تھا کہ مناہل کی نفسیاتی گتھی میں بھی اس حوالے سے کوئی گرہ پڑی ہوگی۔

شادی کے بعد سے مناہل کے عجیب و غریب رویے کو سوچ سوچ کر اس کا دماغ پک گیا تھا' لیکن وہ اس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اب وجہ سمجھ میں آئی تو ذہن ایک دم ہلکا پھلکا ہو گیا۔ اپنے سامنے بیٹھی سوں سوں کرتی اپنی بے وقوف سی بیوی پر اسے شدت سے پیار آیا تھا۔

"کیا کہا تم نے مزید وقت ضائع کیے بغیر اس بے وقوفی سے چھٹکارا پالوں۔" وہ بظاہر سنجیدگی سے مخاطب تھا' مگر آنکھوں میں شرارتی چمک موجود تھی۔ "مناہل نے زار و قطار روتے ہوئے اثبات میں گردن ہلادی۔

"اتنی خوب صورت بے وقوفی سے چھٹکارا پالوں۔ ایسا بے وقوف سمجھا ہے مجھے۔" اس نے مناہل کا ہاتھ پکڑ کر قریب کھینچا تھا۔ مناہل نے آنسوؤں سے بھری حیران آنکھیں اس پر گاڑیں۔ وہ اپنی آنکھوں میں دنیا جہان کا پیار سموئے اسے ہی تک رہا تھا۔

"میری بے وقوف سی زوجہ محترمہ! جانے یہ بات آپ کے دماغ میں کس نے بٹھادی کہ میں محض گرینڈ پا کی خواہش پر اس شادی کے لیے راضی ہوا۔" وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے بول رہا تھا۔ مناہل حیران پریشان اسے سن رہی تھی۔

"ہاں یہ سچ ہے کہ گرینڈپا کی ہمیشہ سے یہ خواہش تھی کہ اپنی پیاری آپا کی کسی پوتی کو اپنے چھوٹے پوتے کی شریک حیات بنادیں۔ وہاج بھائی نے پسند کی شادی کرکے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ ان کی ساری توقعات مجھ سے ہی وابستہ تھیں' لیکن گرینڈپا زبردستی مجھ پر اپنی مرضی مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے اور ظاہر ہے میں بھی اتنا بے وقوف نہ تھا کہ محض اپنی فرماں برداری کے اظہار کے لیے ان کے کسی بھی فیصلے پر سر جھکادوں۔ وہ مجھے اپنے ساتھ ذہین ہاؤس اس لیے لے کر گئے تھے کہ میں ان کی پیاری پوتیوں کو ایک نظر دیکھ لوں اور کوئی لڑکی میرے من کو بھاتی ہے تو ٹھیک' ورنہ وہ بخوشی اپنی خواہش سے دستبردار ہو جائیں گے اور ہوا کچھ یوں کہ ان کی ایک پوتی نہ صرف میرے من کو بھا گئی' بلکہ وہ تو

پہلی ہی نظر میں میرے من میں اتر گئی۔ لیکن وہ لڑکی تو مجھ پر ایک نظر ڈالنے کی بھی روادار نہ تھی۔ پہلے مجھے لگا وہ صرف پوز کرتی ہے' ورنہ میری پرسنالٹی نظر انداز کرنے کے قابل تو نہ تھی' لیکن پھر اندازہ ہوا کہ اپنے خیالوں میں کھوئی رہنے والی اس لڑکی کو واقعی میری ذات سے کوئی سروکار ہے ہی نہیں۔ اپنی نٹ کھٹ بہن اور شرارتی کزنز سے یکسر مختلف وہ لڑکی صرف اس فکر میں ہلکان رہتی تھی کہ اس سے کوئی ایسا کام نہ ہو جائے جو اس کی بڑی اماں کی ناراضی کا باعث بن جائے' بس اس کی فرماں برداری پر میرا ایسا دل آیا کہ میں نے بھی گرینڈ پا کا فرماں بردار پوتا بننے کا فیصلہ کر لیا۔ چپکے سے ان کے سامنے تمہارا نام لے دیا اور آگے کے سب مرحلے ان پر چھوڑ دیے۔" وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔ منائل حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے سُنے گئی۔

"ویسے ہاں ایک بات کا مجھے واقعی علم نہ تھا۔ میری آخری اطلاعات کے مطابق تو آپ بی اے کی اسٹوڈنٹ تھیں' جبکہ ابھی آپ نے بتایا کہ آپ ایف اے پاس ہیں تو اس کا کیا مطلب ہوا۔" وہ اس کے چہرے پر جھولتی ہوئی لٹ کو کھینچتے ہوئے بولا تھا۔

"بی اے کی اسٹوڈنٹ ہونا اور بات ہے اور بی اے پاس کرنا دوسری بات۔ میں فیل ہو گئی تھی۔" منائل نے نگاہیں چُراتے ہوئے دھیرے سے بتایا۔ اچھا ہے' یہ بات اس کے علم میں آجائے' ورنہ ابھی جو محبت کی گردان کر رہا ہے اس کے دعوے کی صداقت کو بھی پرکھ لیا جائے۔ وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ بڑی اماں نے بی اے پاس کرنے کے لیے اسے سسرال کے پریشر میں رکھا تھا' لیکن شاید انہوں نے اس کی ناکامی سے سسرال والوں کو آگاہ ہی نہ کیا تھا۔

"میں پہلے اینول اگزام میں فیل ہوئی تھی اور پھر سپلیمنٹری پیپرز میں اس سے بھی بُرے طریقے سے فیل ہوئی۔" اس نے ابتہاج کو مزید تفصیل سے آگاہ کرنا ضروری سمجھا۔ وہ بہت دلچسپی سے اس کے چہرے کے تاثرات ملاحظہ کر رہا تھا اس اہم اطلاع پر اس نے

ماہنامہ کرن

اکتوبر 2015 کا شمارہ شائع ہو گیا

- "بیاد محمود بابر فیصل"
- عیدالاضحی پر پردیس میں رہنے والوں کے احساسات کے حوالے سے شاہین رشید کا خصوصی سروے،
- اداکارہ "زینب جمیل" سے شاہین رشید کی ملاقات
- اداکار "بلال قریشی" کہتے ہیں "میری بھی سنیے"
- اس ماہ "سیدہ نسبت زہرا" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "راپنزل" تنزیلہ ریاض کا سلسلے وار ناول
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول
- "میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ کا مکمل ناول اختتام کی طرف،
- "تمھارا اسیر" شہناز صدیق کا مکمل ناول
- "شاید" فائزہ افتخار کا دلکش ناولٹ
- "محبت ہم سفر میری" شبانہ شوکت کا ناولٹ
- "اب کے برس عید" صدف گیلانی کا ناولٹ
- صدف آصف، نظیر فاطمہ، دیا شیرازی، امت العزیز شہزاد اور عابدہ احمد کے افسانے اور مستقل سلسلے

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب

"کار آمد گھریلو ٹوٹکے"

محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔
"فیصلے کا اختیار اب بھی آپ کے پاس ہے۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ قبول ہوگا۔" مناہل کی آنکھیں پھر ڈبڈبانے لگی تھیں۔
"ایک دم بے وقوف ہو تم۔" ابتاج نے اسے اپنے ساتھ لگایا تھا' اتنی پیاری سی بیوی کو مزید ستانا ہرگز مناسب نہ تھا۔
"یہ میرے دل کا معاملہ ہے میری جان۔ میرے آفس کی کوئی خالی سیٹ نہیں ہے' جس پر کسی اعلا تعلیم یافتہ شخصیت کا تقرر کرنا ضروری ہو۔ تم تو اس وقت سے اس دل کی مسند پر براجمان ہو جب میں تمہیں ٹھیک سے جانتا بھی نہ تھا اور اب' جب تمہاری خوبیاں مجھ پر پوری طرح آشکار ہو چکی ہیں تو اس دل میں تمہاری قدر و منزلت اور بڑھ چکی ہے۔ لہٰذا نہ تو آئندہ میں تمہارے پیارے پیارے لبوں سے ایسی فضول بات سنوں اور نہ ان آنکھوں میں آنسو دیکھوں۔" وہ وارننگ دے رہا تھا مگر مناہل پر اس وارننگ کا الٹا اثر ہوا' وہ اس کے شانے پہ سر ٹکائے مزید زور و شور سے آنسو بہانے لگی تھی۔ ابتاج ہولے ہولے اس کا سر تھپکتا رہا۔
"اب جو بات کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو اور اس بار بھی یقین نہ کیا تو تمہاری پٹائی کروں گا۔ مناہل کی سسکیاں تھمنے کے بعد وہ دھیرے سے بولا تھا۔"
"کہیے سن رہی ہوں۔" مناہل اب فرماں بردار بیوی بن کر بولی۔
"آئی لو یو' سوئٹ ہارٹ۔" جذبے لٹاتا' محبتوں کا یقین دلاتا لہجہ' مناہل اس بار یقین نہ کرنے کی غلطی ہرگز نہ کر سکتی تھی۔ شرمیلی سی دھیمی مسکان اس کے لبوں پر بکھر گئی۔
"ویسے آئی لو یو کوئی سوال نہیں ہے' پھر بھی جانے کیوں ہر کوئی اس کا جواب سننے کا متمنی ہوتا ہے۔" ابتاج نے شرارتی انداز میں خود کلامی کی تھی۔
"بڑی اماں کہتی تھیں نکاح کے دو بولوں کے ساتھ ہی میاں بیوی کے دل میں ایک دوسرے کے لیے محبت پیدا ہو جاتی ہے۔" مناہل نے بہت گھما پھرا کر اظہار محبت کیا تھا۔
"ہاں وہ تو تمہاری بڑی اماں کہتی تھیں' تم کیا کہتی ہو۔" ابتاج مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔
"آپ بہت خراب ہیں۔" وہ اس کے سینے میں سر چھپا کر فقط یہ ہی کہہ سکی۔

☼ ☼ ☼

ذہین ہاؤس میں رونق کا سماں تھا۔ کتنے برسوں بعد وہ سب یوں اکٹھے تھے اور اب تو اکٹھے ہونا بنتا ہی تھا۔ کل جیا کی رخصتی تھی۔ چاروں سکھیاں رت جگے کے موڈ میں تھیں۔ بچے سارا دن کھیل کود کر اتنے تھک چکے تھے کہ آج ماؤں کے کہے بغیر ہی شرافت سے سو گئے تھے۔
تین برس پہلے رافع اور مریم پاکستان شفٹ ہو گئے تھے۔ تابش اور عرشیہ کے تین بچے تھے اور تین بچوں کو پال کر عرشیہ اتنی تھک گئی تھی کہ کانوں کو ہاتھ لگا کر کہتی تھی بچے تین ہی اچھے۔ فریال کو اللہ نے جڑواں بیٹیوں سے نوازا تھا اور وہ ان ہی کو سنبھالنے کے چکر میں ہلکان ہوئے جاتی تھی۔ ڈیڑھ برس پہلے جب فریال پاکستان آئی تھی' تب مناہل ذہین ہاؤس نہ آسکی تھی' ایک تو ان دنوں ریان بیمار تھا' پھر اس کا فائنل سیمسٹر سر پر تھا۔ فریال اس سے ملنے اس کے سسرال ہی پہنچ گئی تھی۔ بعد کے عرصے میں بھی' مناہل کو میکے آنے کا موقع کم کم ہی مل سکا تھا۔ ابتاج کی فقط یہ ہی عادت بری تھی کہ وہ اسے میکے نہ چھوڑتا تھا۔ اس کے ساتھ آتا اور وہ دو دن ذہین ہاؤس ٹھہر کر اسے ساتھ ہی واپس لے جاتا۔ یہ اس کی محبت کی شدت تھی۔ اس لیے مناہل کچھ کہہ بھی نہ پاتی۔ ابتاج کے مشورے اور حوصلہ افزائی پر ہی اس نے تعلیم کا ادھورا سلسلہ مکمل کیا تھا۔
"میں نہیں چاہتا کہ تم زندگی کے کسی موڑ پر کمپلیکس کا شکار ہو' پھر آج کے دور میں ڈگری کی

افادیت سے انکار بھی ممکن نہیں لڑکیوں کے پاس کم از کم اتنی تعلیم ہونی چاہیے کہ وہ کسی مشکل وقت میں اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکیں۔" بہت بار کی پڑھی ہوئی بات جب کسی اپنے نے بہت پیار سے سمجھائی تو مناہل سنجیدگی سے اس بارے میں سوچنے لگی تھی۔

"کسی دباؤ میں آکر نہیں' پوری دلی رضامندی سے فیصلہ کرو۔ میرے خیال میں تو پہلے بھی ناکامی کی بڑی وجہ بڑی اماں کا ڈنڈا اور مضامین کا غلط انتخاب تھا۔ میں نے جب بھی تمہیں گرینڈ پا کی اسٹڈی سے کوئی کتاب لاتے دیکھا ہے تو وہ اردو ادب کی کوئی معیاری کتاب ہوتی ہے اور تم نے بی اے میں سبجیکٹ رکھا انگلش لٹریچر' بائی داوے یہ مشورہ کس کا تھا؟" وہ دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا۔ "بڑی اماں کہتی تھیں انگلش لٹریچر کا اسکوپ نہیں زیادہ ہے۔" اس نے سادگی سے بتایا۔ ابتہاج نے سر ہلایا تھا۔

"بہرحال اب فیصلہ تمہارا اپنا ہوگا۔ پڑھائی جاری رکھنے سے لے کر مضامین کے انتخاب تک۔ ناکامی کے خوف کو ذہن سے نکال کر اور کسی دباؤ میں آئے بغیر پڑھو گی تو پھر دیکھنا نتیجہ کتنا مختلف ہوگا۔" ابتہاج نے نرمی سے سمجھایا اور وقت نے اس کا کہا سچ کر دکھایا۔ بی اے کے بعد کتنی سہولت سے اس نے ایم اے اردو بھی کر لیا تھا۔ قدرت نے اس عرصے میں ریان کی صورت میں پیارے سے بیٹے سے بھی نواز دیا۔ ریان تو گھر بھر کا لاڈلا بچہ تھا' پڑھائی کے ساتھ چھوٹے بچے کی پرورش میں مناہل کو قطعاً" کوئی دشواری نہ ہوئی۔ دن میں تو زیادہ تر اس کی تائی مما ہی اسے سنبھالتی تھیں۔ کبھی کبھی تو مناہل کو لگتا کہ ریان اس کی نسبت نادیہ بھابھی سے زیادہ اٹیچڈ ہے اور ایسے میں اسے کشور سلطانہ شدت سے یاد آتیں۔ خود سے وابستہ رشتوں سے بے لوث محبت کا ہنر اس نے ان ہی سے سیکھا تھا' اسے بھلا نادیہ بھابھی اور ریان کے تعلق پر کیا اعتراض ہونا تھا' لیکن دل کی گہرائیوں سے وہ نادیہ بھابھی کی گود ہری ہونے کی بھی دعا کرتی۔ اس کا وجدان کہتا تھا کہ جس دعا کے بعد دل اطمینان سے بھر جائے وہ قبولیت کا درجہ پاتی ہے اور اسے اپنی دعا کی قبولیت کا انتظار تھا۔

جیا نے ذہین ہاؤس کا اگلا پچھلا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ ایم اے کے بعد ایم فل کر کے وہ مقامی گرلز کالج میں لیکچرار تعینات ہو گئی تھی اور وہاں وہ اپنے اچھے اخلاق' سلجھی ہوئی عادات اور من موہنی صورت کے باعث پرنسپل کو اتنی پسند آئی کہ انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے اس کا رشتہ مانگ لیا اور اب جیا بھی بابل کا آنگن چھوڑ کر پیا دیس سدھار رہی تھی۔ آج ذہین ہاؤس میں اس کی آخری رات تھی۔ عرشیہ کے بیڈ روم میں وہ چاروں سہیلیاں سر جوڑے بیتی باتیں دہرا رہی تھیں اور عین برابر والے کمرے میں سطوت آرا لیٹی اپنی پوتیوں کی کھلکھلاہٹیں سن رہی تھیں۔ وہ اب بہت ضعیف ہو گئی تھیں۔ عرشیہ اور تابش نے اپنا بیڈ روم ان کے بالکل برابر والے کمرے میں شفٹ کر لیا تھا۔ رات کو کتنی ہی بار عرشیہ ان کے بیڈ روم میں جھانکتی۔ عرشیہ اور تابش بوڑھی دادی کا بچوں سے بڑھ کر خیال رکھتے تھے۔

اپنے جن پوتا' پوتیوں کے ننھے پن سے سطوت آرا زندگی بھر عاجز رہی تھیں' اب وہی پوتے' پوتیاں ان کے فخر کا سامان تھے۔ انہیں ساری زندگی یہ خدشہ ستاتا رہا تھا کہ ان کے ننھے بچے زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جائیں گے۔ ان بچوں پر اللہ کے خصوصی کرم کے باعث سطوت آرا کے تمام خدشات غلط ثابت ہوئے۔ ایک واجبی پڑھی لکھی عورت نے ان بچوں کو اپنے سے وابستہ رشتوں سے بے غرض محبت کا جو ہنر سکھایا تھا شاید وہی ہنر زندگی کے میدان میں ان کی کامیابی کا باعث بنا تھا۔ سطوت آرا نے معمول کے مطابق اپنی مرحومہ بہو اور بیٹے کے درجات کی بلندی کے لیے دعا کی اور مسکراتے لبوں کے ساتھ اپنی پوتیوں کی کھلکھلاہٹیں سنتے ہوئے نیند کی وادیوں میں اتر گئیں۔